اس شمارے میں

اس شمارے میں	ادارہ	۲

قرآنیات

سورۃ التوبہ (۷)	جاوید احمد غامدی	۵

معارف نبوی

حسن اخلاق کے بارے میں روایات	امین احسن اصلاحی	۹

مقالات

روزہ	جاوید احمد غامدی	۱۹

نقطۂ نظر

متن حدیث میں علما کے تصرفات (۱)	ساجد حمید	۲۵

افادات

اصلاح اور نماز	حمید الدین فراہی	۳۹

یسئلون

اسلام میں شوریٰ کی حیثیت	امین احسن اصلاحی	۴۳

ادبیات

عدل جہانگیری	شبلی نعمانی	۴۶

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اس شمارے میں

اس شمارے کا آغاز حسب روایت جناب جاوید احمد غامدی کے ترجمۂ قرآن ''البیان'' سے ہوا ہے۔ اس اشاعت میں سورۂ توبہ (۹) کی آیات ۸۱-۸۹ کا ترجمہ اور مختصر حواشی شامل ہیں۔ یہ حصہ ان منافقین سے متعلق ہے جو غزوۂ تبوک کے موقع پر جھوٹے اور لایعنی عذرات پیش کر کے گھروں میں بیٹھے رہے تھے اور اپنی فریب کاری پر بہت خوش تھے۔ قرآن مجید نے ان کے لیے دوزخ کی وعید سنائی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ آیندہ انھیں جہاد سے محروم رکھا جائے اور ان میں سے اگر کوئی مر جائے تو نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور نہ قبر پر دعا کے لیے کھڑا ہوا جائے۔

اس سورہ کی آیت ۸۶ کے الفاظ 'اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ' کا ترجمہ ''اللہ پر ایمان لاؤ، (جس طرح کہ ایمان لانے کا حق ہے)'' کیا ہے اور اس کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ یہاں فعل اپنے کامل معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس آیت کا ایک اور قابل غور حصہ 'ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ' (ہمیں چھوڑ دیجیے، ہم یہاں ٹھیرنے والوں کے ساتھ رہ جائیں گے) کے الفاظ پر مشتمل منافقین کا قول بھی ہے۔ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس میں منافقین کے عذرات کا تو کہیں ذکر نہیں ہے۔ اس کی وضاحت میں مصنف نے بیان کیا ہے کہ یہ ان کا کوئی متعین قول نہیں، بلکہ ان کے مافی الذہن کی تعبیر اور ان کے دل کی آواز ہے اور مافی الذہن کو قول کی صورت میں بیان کرنے کی قرآن میں اور بھی مثالیں ہیں۔

''معارف نبوی'' میں حسن اخلاق کے پہلو سے ''موطا امام مالک'' کی چند روایات کا انتخاب شامل ہے۔ ان کا ترجمہ وتشریح مولانا امین احسن اصلاحی کے درس حدیث سے ماخوذ ہے جسے جناب خالد مسعود اور جناب سعید احمد نے مرتب کیا تھا۔ ان میں سے بعض روایات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور بعض صحابہ کے اقوال پر مشتمل ہیں۔ ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو لوگوں سے حسن سلوک کی ہدایت فرمائی ہے۔ مولانا اصلاحی

کا کہنا ہے کہ یہ اس موقع کی ہدایت ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل کو یمن کا گورنر بنا کر روانہ کیا تھا۔ مولانا نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ حسن اخلاق کی اہمیت حکمران کے لیے عام آدمی سے بہت بڑھ کر ہے۔ حکمران کا اخلاق اگر اچھا ہوگا تو لوگ بلا جھجک اپنے مسائل اس کے سامنے پیش کر سکیں گے اور انصاف حاصل کر سکیں گے۔ ایک روایت میں سیدہ عائشہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل کو بیان کیا ہے کہ آپ معاملات زندگی میں ہمیشہ آسان راستے کا انتخاب فرماتے تھے۔ اس بات کی وضاحت میں مولانا اصلاحی نے ایک اور حدیث کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ جو شخص دین سے دھینگا مشتی کرے گا، دین اسے پچھاڑ دے گا۔ ان کے علاوہ اور بھی متعدد روایات اس حصے میں شامل ہیں جن کا مطالعہ اخلاقی اصلاح کے لیے مفید ہو سکتا ہے۔ تاہم، مولانا اصلاحی کی توضیحات کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے کہ یہ ان کی اپنی تحریر نہیں ہے۔ یہ ان کی گفتگو ہے جسے ٹیپ سے سن کر مرتب کیا گیا ہے اور گفتگو میں ظاہر ہے کہ تمام پہلوؤں کا احاطہ ممکن نہیں ہوتا۔

رمضان کی مناسبت سے جناب جاوید احمد غامدی کا ایک مضمون ''روزہ'' شامل اشاعت ہے۔ اس مضمون میں انھوں نے روزے کے مقصد اور اس کے حاصلات کو نہایت عام فہم اسلوب میں بیان کیا ہے۔ اس کے ساتھ ان خرابیوں کی نشان دہی بھی کی ہے جو اگر روزے میں در آئیں تو اس کی ساری برکتیں ختم ہو جاتی ہیں۔

''نقطۂ نظر'' کے تحت ''متن حدیث میں علما کے تصرفات'' کے زیر عنوان جناب ساجد حمید کا ایک تحقیقی مضمون شائع کیا ہے۔ اس مضمون میں انھوں نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ احادیث نقل کرتے ہوئے علما و محدثین ترتیب و تدوین کی بعض ضرورتوں کے پیش نظر ایسے تصرفات کر دیتے ہیں کہ جن کی وجہ سے احادیث اجزا میں منتشر ہو جاتی ہیں اور ان میں سے ہر جز ایسا مفہوم پیش کرتا ہے جو حقیقت کے مطابق نہیں ہوتا۔ مصنف نے اپنے موقف کی دلیل میں اسبال ازار کی ممانعت، کسی قوم کی مشابہت اختیار کرنے کی شناعت اور یہود و نصاریٰ کی مخالفت کی احادیث کو بطور مثال پیش کیا ہے اور ان موضوعات کی مختلف روایتوں اور ان کے اجزا کو جمع کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اسبالِ ازار کی ممانعت کا اصل سبب تکبر ہے، کسی قوم کی مشابہت اختیار نہ کرنے سے مراد حلیے اور لباس وغیرہ کی ظاہری مشابہت نہیں، بلکہ رویے کی مشابہت ہے اور یہود و نصاریٰ کی مخالفت سے مراد اصل میں ان بدعات کی مخالفت ہے جو یہود نے ازخود دین میں داخل کر لیں تھیں۔ اختلاف و اتفاق سے قطع نظر ہمیں امید ہے کہ یہ مضمون قارئین کے لیے دل چسپی اور غور و فکر کا باعث ہوگا۔ اس ضمن میں بعض توضیح طلب امور بھی ہیں، مثلاً یہ کہ مصنف نے ایک موضوع کی مختلف روایتوں یا ان کے اجزا کو جمع کرتے ہوئے صحیح، حسن اور ضعیف کے درجے کی روایتوں کو یکساں طور پر قبول کیا ہے یا

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

ان میں کوئی فرق کیا ہے؟ اسی طرح الفاظ کے مفہوم کی تعیین میں کیا طریقہ اختیار کیا ہے اور اس ضمن میں مثال کے طور پر 'من تشبه بقوم فهو منهم' (جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی، وہ انھی میں سے ہوگا) میں 'تشبہ' کے فعل سے ظاہری مشابہت کے بجاے رویے کی مشابہت مراد لینے کے لیے زبان و بیان کے کن دلائل کو بنیاد بنایا ہے؟ پھر یہ سوال بھی اہم ہے کہ کیا مصنف کے الفاظ ''اگر صرف پہلی روایت ہی ہمارے پاس ہوتو یہ حکم مستقل بالذات تعبدی حکم بن جاتا ہے'' سے یہ تاثر لینا جائز ہے کہ وہ حدیث کو دین میں مستقل بالذات احکام کا ماخذ تسلیم کرتے ہیں؟

''افادات'' میں ''اصلاح اور نماز'' کے عنوان سے امام حمید الدین فراہی کا ایک شذرہ شامل ہے۔ یہ ان کے عربی رسالے ''رسالۃ فی اصلاح الناس'' کے ابتدائی حصے کا مولانا اصلاحی کے قلم سے ترجمہ ہے۔ اس میں یہ بات بیان ہوئی ہے کہ انسان کی دینی اصلاح کے لیے اولین اور بنیادی قدم نماز ہے۔ انھوں نے واضح کیا ہے کہ اصلاح کے لیے اصل چیز قلب کی درستی ہے اور اس مقصد کے لیے پہلی اور آخری دوا نماز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اعمال صالحہ میں سب سے بڑھ کر نماز کی تاکید کی ہے۔ نماز کی شان یہ ہے کہ بندہ اللہ کی اس طرح عبادت کرے گویا اس کو دیکھ رہا ہے۔

''یسئلون'' میں مولانا اصلاحی سے پوچھا گیا یہ سوال نقل کیا ہے کہ کیا خلیفہ شوریٰ کا پابند ہے اور کیا وہ مجلس شوریٰ کی رائے کے خلاف اپنی رائے پر اصرار کرسکتا اور اسے قوم پر نافذ کرسکتا ہے؟ مولانا اصلاحی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ خلیفہ دلائل کے ساتھ اپنی رائے کو پیش تو کرسکتا ہے، مگر اس کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ شوریٰ کی رائے کو رد کرتے ہوئے اپنی رائے مسلط کرے۔

''ادبیات'' میں علامہ شبلی نعمانی کی ایک نظم ''عدل جہانگیری'' شائع کی ہے۔ اس میں انھوں نے شہنشاہ جہانگیر کے عدل کے حوالے سے ایک تاریخی واقعے کو نظم کیا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

البیان
جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ التوبہ

(۷)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا جَزَآءًۢ بِمَا

(تبوک کے اِس سفر میں) جو لوگ پیچھے چھوڑ دیے گئے تھے،[۲۴۸] وہ اللہ کے رسول سے پیچھے بیٹھ رہنے پر بہت خوش ہوئے اور اُنھیں اچھا نہیں لگا کہ اپنے جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ اُنھوں نے (لوگوں سے) کہا کہ اِس گرمی میں نہ نکلو۔ کہہ دو: دوزخ کی آگ اِس سے کہیں زیادہ گرم ہے۔ اے کاش، وہ سمجھتے! اب وہ ہنسیں کم اور روئیں زیادہ، اُس کے بدلے میں جو کچھ کرتے رہے۔[۲۴۹] سو (اے

۲۴۸؎ یعنی اگرچہ رخصتیں مانگ کر خود پیچھے رہے، مگر حقیقت میں پیچھے چھوڑ دیے گئے تھے۔ اِس لیے کہ اللہ و رسول کے سامنے لایعنی عذرات پیش کر کے اِس کے مستحق ہی نہیں رہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کی سعادت سے بہرہ یاب ہوں۔

۲۴۹؎ مطلب یہ ہے کہ خدا کی راہ میں جہاد کے شدائد سے بھاگ کر اُنھوں نے دوزخ میں جانا پسند کیا ہے تو یہ

كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ
فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِىَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِىَ عَدُوًّا اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ
اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿٨٣﴾
وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا
يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٨٥﴾ وَاِذَآ

پیغمبر) اللہ اُن میں سے کسی گروہ کی طرف اگر تمھیں واپس لے جائے[250] اور وہ تم سے (جہاد کے لیے) نکلنے کی اجازت مانگیں تو صاف کہہ دینا کہ تم میرے ساتھ کبھی نہ نکلو گے اور نہ میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے لڑو گے۔ تم نے پہلے بیٹھ رہنے کو پسند کیا تو اب بھی اُن کے ساتھ بیٹھے رہو جو پیچھے رہنے والے ہیں۔ ۸۱-۸۳

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اور (آیندہ) اُن میں سے جو مر جائے، اُس (کے جنازے) پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اُس کی قبر پر (دعا کے لیے) کھڑے ہونا، اِس لیے کہ اُنھوں نے اللہ اور اُس کے رسول کا انکار کیا ہے اور اِس حال میں مرے ہیں کہ بدعہد تھے[251]۔ تم اُن کے مال و اولاد کو کچھ وقعت نہ دو، اللہ یہی چاہتا ہے کہ اِن کے

خوش ہونے کی نہیں، بلکہ رونے اور ماتم کرنے کی چیز ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”...عام طور پر مفسرین نے یہاں انشا کو خبر کے معنی میں لیا ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے۔ یہاں عمل اور جزا، دونوں کو نگاہوں کے سامنے متحضر کر دیا گیا ہے، اِس لیے کہ جس کے اندر بصیرت ہو، وہ اِس دنیا میں اپنے عمل کے آئینے میں اپنی جزا کو بھی دیکھ لیتا ہے اور اُس پر اِس کا اثر بھی وہی پڑتا ہے جو پڑنا چاہیے۔ البتہ اندھے بہرے لوگ اِس سے محروم رہتے ہیں۔“ (تدبر قرآن ۳/ ۲۱۸)

۲۵۰۔ اِس جملے کا اسلوب بیان پیش نظر رہے تو مدعا یہ ہے کہ جن کے کرتوتوں کی وجہ سے اُن کے منہ دیکھنے کے روادار نہیں ہو، اُن کے منہ اگر اپنی تقدیر سے دکھا دے اور جو یہ گمان کیے بیٹھے ہیں کہ رومیوں کی افواج قاہرہ سے بچ کر واپس نہیں آ سکو گے، اُن کی خواہشات کے علی الرغم اگر خدا تمھیں کامیاب و کامران اُن کی طرف پلٹا دے۔

اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا

ذریعے سے اُنھیں دنیا کی زندگی میں عذاب دے اور اُن کی جانیں اِس حالت میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں[۲۵۲]۔ جب کوئی سورت اترتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ، (جس طرح کہ ایمان لانے کا حق ہے[۲۵۳]) اور اُس کے رسول کے ساتھ ہو کر جہاد کرو تو اُن کے مقدرت والے بھی تم سے رخصت مانگنے آ کھڑے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجیے، ہم یہاں ٹھیرنے والوں کے ساتھ رہ جائیں گے[۲۵۴]۔ اُنھوں نے پسند کیا کہ اُن عورتوں کے ساتھ ہوں جو پیچھے گھروں میں بیٹھی رہتی ہیں[۲۵۵] اور اُن کے دلوں پر (اِس کے نتیجے میں) مہر کر دی گئی، اِس لیے کچھ نہیں سمجھتے۔ (اللہ کے) رسول نے، البتہ اپنے جان و مال سے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۲۵۱؎ اِس سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے لیے استغفار سے روکا گیا تھا۔ اب جہاد میں ساتھ لے جانے اور اُن میں سے کوئی مر جائے تو اُس کے جنازے کی نماز پڑھنے اور اُس کی قبر پر کھڑے ہونے سے بھی روک دیا گیا۔ اِس سے بڑی رسوائی اور اِس سے بڑی سزا کیا ہو سکتی تھی جو مسلمانوں کے معاشرے میں اور خدا کے رسول کی موجودگی میں کسی شخص کو دی جا سکتی ہے۔

۲۵۲؎ اللہ کا یہ چاہنا اُس سنت کے مطابق ہے جو اُس نے لوگوں کی ہدایت اور گمراہی کے لیے مقرر کر رکھی ہے۔

۲۵۳؎ اصل الفاظ ہیں: 'اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ'۔ اِن میں فعل اپنے کامل معنی میں ہے۔ ہم نے ترجمے میں اِسے کھول دیا ہے۔

۲۵۴؎ یہ اُن کے مافی الذہن کی تعبیر ہے۔ قرآن کے بعض دوسرے مقامات میں بھی اِس طرح کی چیزوں کو قول سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ اپنے دل میں اِس طرح سوچتے ہیں کہ عذر قبول کر لیا گیا تو اُن کے ساتھ رہیں گے جن کا عذر حقیقی ہے اور جو یہاں عافیت میں بیٹھے ہیں۔

۲۵۵؎ یعنی مردوں کی طرح میدان جہاد میں اتر کر اپنے ایمان و اسلام کا حق ادا کرنے کے بجائے اپنے لیے یہی

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٨٨﴾ اَعَدَّاللّٰهُ
لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴿٨٩﴾

جہاد کیا ہے اور اُن لوگوں نے بھی جو اُس کے ساتھ ایمان لائے ہیں، اور اب وہی ہیں جن کے لیے (دنیا و آخرت کی) بھلائیاں ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔ اللہ نے اُن کے لیے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔۸۴-۸۹

پسند کیا کہ عورتوں کی طرح گھروں میں بیٹھیں۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

امین احسن اصلاحی
ترتیب وتدوین: خالد مسعود۔سعید احمد

حسن اخلاق کے بارے میں روایات

(مَا جَاءَ فِی حُسُنِ الْخُلُقِ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ اَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قَالَ آخِرُ مَا اَوْصَانِی بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ وَضَعْتُ رِجْلِی فِی الْغَرْزِ اَنْ قَالَ اَحْسِنْ خُلُقَكَ لِلنَّاسِ يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ.

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آخری بات، جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس وقت نصیحت فرمائی جس وقت میں نے رکاب میں اپنا پاؤں رکھا، یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک رکھنا، اے معاذ بن جبل!

وضاحت

اس روایت میں انقطاع ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک کو اصل مطلب بات سے ہے۔ سند کو وہ زیادہ اہمیت نہیں دے رہے ہیں اور یہ بات بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے الفاظ میں معلوم ہوتی ہے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ اس موقع کی ہے جب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا گیا۔ چونکہ ان کو وہاں گورنری کے عہدہ پر بھیجا گیا تھا تو سب سے اہم نصیحت ان کو اس موقع پر یہی کی جا سکتی تھی کہ لوگوں کے ساتھ خوش خلقی سے پیش

آئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تمھارے سامنے کوئی معاملہ آئے تو کیسے فیصلہ کرو گے؟ انھوں نے کہا کہ کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلہ کروں گا۔ اگر کتاب اللہ سے رہنمائی نہ ملی تو سنت رسول سے مدد لوں گا۔ اگر وہاں بھی کچھ نہ پایا تو اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھوں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جواب پر معاذ کی تحسین فرمائی اور وہ آخری ہدایت دی جو اس روایت میں ہے۔

یہ ہدایت بہت اہم ہے، اس لیے کہ اعلیٰ اخلاق یوں تو سب کے لیے بے حد ضروری ہے، لیکن خاص کر حکمرانوں کا اخلاق تو بہت اچھا اور بے حد شریفانہ ہونا چاہیے تاکہ عوام اپنے مسائل ان کے آگے بلا خوف پیش کر سکیں اور انصاف حاصل کر سکیں۔ لیکن بالعموم ہوتا یہ ہے کہ حکمران عرش پر چڑھ جاتے ہیں اور کسی کو خاطر میں ہی نہیں لاتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت حکمرانوں کے لیے نہایت برمحل ہے۔

حَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِی أَمْرَيْنِ قَطُّ إِلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا فَإِنْ كَانَ إِثْمًا كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ وَمَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهِ إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمُ لِلّٰهِ بِهَا.

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب ایسی صورت آتی کہ جس میں دو پہلو ہوتے تو آپ اس پہلو کو اختیار کرتے جو دونوں میں سے آسان تر ہوتا، بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہوتا۔ اگر وہ گناہ ہوتا تو آپ لوگوں میں سب سے زیادہ گناہ سے دور تر رہتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کا انتقام نہیں لیا۔ ہاں اگر دین کی بے حرمتی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی خاطر اس کا انتقام لیتے تھے۔

وضاحت

اگر کوئی ایسا معاملہ درپیش ہو جس میں آپ کو فیصلہ کرنا ہو اور اس میں دو پہلو ہوں جن میں سے کسی بھی پہلو کو

اختیار کرنے میں آپ آزاد ہوں تو وہ پہلو اختیار کرنا چاہیے جو سہل تر ہو۔ دین کے ہر معاملہ میں صحیح بات یہی ہے کہ وہ پہلو اختیار کریں جو آسان ہو، اس لیے کہ اگر آپ شیخی میں آ کر یہ کریں کہ میں تو سخت پہلو ہی اختیار کروں گا تو مار کھا جائیں گے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص دین کے ساتھ دھینگا مشتی کرے گا تو دین اس کو پچھاڑ دے گا اور وہ شخص اپنے ارادے کو پورا کرنے میں ناکام ہو جائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جب کسی معاملہ میں دو پہلو ممکن ہوتے تو آپ اس میں سے وہ پہلو اختیار کر لیتے جو سہل تر ہوتا، بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔ اگر گناہ کا شائبہ تک بھی ہوتا تو آپ اسے اختیار نہیں کرتے تھے۔

دوسری بات یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے لیے کبھی انتقام نہ لیتے۔ آپ کو گالی دی گئی اور توہین کی گئی۔ آپ نے یہ سب کچھ برداشت کر لیا، کیونکہ یہ آپ کی ذات کا معاملہ تھا۔ لیکن اللہ کے دین کی حرمت کو جن لوگوں نے نقصان پہنچایا تو ان سے آخر آپ نے جنگ بھی کی۔ اسی طرح اگر کسی نے دین کی بے حرمتی کی تو اس کو آپ نے سزا بھی دی۔ کسی نے کوئی حق تلفی کی تب بھی آپ نے مظلوم کو اس کا حق دلایا۔ لیکن اپنی ذات کے معاملہ میں آپ لوگوں کے لیے بے حد فیاض، کریم النفس اور درگزر فرمانے والے تھے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.almawrid.org

حَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ اَبِی طَالِبٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَا يَعْنِيهِ.

علی بن حسین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے اسلام کی خوبیوں میں سے یہ ہے کہ وہ اس چیز کو چھوڑ دے جو اس کے متعلق نہ ہو۔

وضاحت

مطلب یہ ہے کہ جیسے آپ کہتے ہیں کہ اس چیز سے میرا کیا واسطہ، یہ میرا Concern نہیں، تو یہ اسلام کی خوبیوں میں سے ہے۔ اسلام کے بہت سے درجے ہیں۔ اسلام کو اگر کوئی شخص بہترین طریقے پر اختیار کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے مقصد زندگی سے غیر متعلق باتوں میں نہ پڑے۔ یہاں منہیات کا سوال نہیں ہے۔ ان سے بچنا تو واجبات دین میں سے ہے۔ یہاں مراد وہ چیزیں ہیں جو جائز ہیں، لیکن مقصد زندگی کے لحاظ سے کچھ اہمیت

نہیں رکھتیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بہت بڑی حکمت کی بات ہے۔ اس حدیث کے متعلق لوگوں نے کہا ہے کہ یہ ان تین بڑی حدیثوں میں سے ایک ہے جو اصولی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کی حکمت بیان نہیں ہوسکتی۔

جو چیزیں زندگی میں جائز ہیں، ان میں سے ہر چیز کو تو اختیار کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ آپ اپنی زندگی کے لیے کوئی ایک لائن اختیار کریں گے تو اس لائن سے جو چیزیں موافقت رکھتی ہیں، جو چیزیں مقصد میں مددگار ہوسکتی ہیں اور آپ کے لیے بابرکت ہوسکتی ہیں، صرف وہی آپ کو اختیار کرنی چاہییں۔ باقی دوسری چیزوں میں خواہ مخواہ میں چونچیں لڑانا اور ہر میدان کا غازی بننے کی کوشش کرنا ایک غیر مفید کام ہوتا ہے۔ یہ اصول سیاست میں، مذہب میں، تحقیق میں، غرض سب چیزوں میں کارآمد ہے۔ دنیا میں جتنے بھی قابل ذکر لوگ گزرے ہیں، ان کی یہ حالت نہیں تھی کہ خدائی فوج دار کی طرح ہر چیز میں ٹانگ اڑاتے پھریں، بلکہ انھوں نے ایک لائن اختیار کی اور مضبوطی سے اس پر جمے رہے اور تمام غیر متعلق چیزوں کو انھوں نے نظر انداز کیا۔

www.javedahmedghamidi.com www.al-mawrid.org

اس بات کو یوں بھی سمجھ لیں کہ اپنی زندگی کو صحیح رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے جو فرائض متعین کیے ہیں، وہ بجا لائیں۔ مثلاً یہ فرمایا کہ 'کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته' ''تم میں سے ہر ایک راعی بنایا گیا ہے اور اس سے اس کے گلے کے متعلق پوچھا جائے گا۔'' تو اپنے گلے کی فکر کریں۔ اگر اپنے گلے کو چھوڑ کر دوسروں کے گلوں کی چرواہی کرتے پھریں تو یہ حماقت ہے۔ فرض کریں کہ ایک شخص ہے۔ اس کا مقدم فریضہ ہے کہ اپنے خاندان کو، اپنے بچوں کو سنبھالے۔ یہ جواب اس کے لیے ٹھیک نہ ہوگا کہ میں تو خلق خدا کی تربیت پر لگا رہا۔ میرے بچے گمراہ ہو گئے تو میں کیا کرتا۔ یہ جواب آپ کو بچا نہ سکے گا۔ علیٰ ہذا القیاس آپ کے پڑوس سے متعلق آپ کی ذمہ داری ہے۔ آپ اس کی فکر کریں۔ آپ ساری دنیا کی فکر تو نہیں کر سکتے۔ اسی طرح یہ ذمہ داری بھی ہے کہ جو کوئی برائی دیکھے تو اس کی اصلاح کرے۔ اگر طاقت رکھتا ہو تو ہاتھ سے ورنہ زبان سے روکے، اور یہ بھی نہ ہو تو دل میں برا جانے۔ یہ کمزور ترین ایمان ہے۔ اصلاح کا یہ کام آپ کی زندگی کی مہمات میں سے ہے۔ اس سے زیادہ کے لیے آپ کے پاس فرصت ہے تو کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر غیر ضروری معاملات میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ زندگی کے جو اصل فرائض ہیں، انسان اگر ان کو ہی صحیح طور پر ادا کرنا چاہے تو یہ واقعہ ہے کہ ان کو بھی صحیح طور پر ادا کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ جب انھی کو انجام دینا مشکل ہے تو غیر ضروری پرائے جھگڑے آپ اپنے سر پر کیوں لیں۔

اگر آپ کو خدمت خلق کا شوق ہے، لیکن گھر کی خبر نہیں اور باہر کے تمام لوگوں کے لیے بھاگے پھرتے ہیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ معاشرہ تباہ ہو کے رہ جائے گا۔ اچھے لوگ، قابل لوگ، ذمہ دار لوگ اور قوم و ملت کی خدمت کرنے والے وہی

لوگ ہوں گے جو اپنی زندگی اس اصول کے تحت گزاریں کہ میں ایک مسلم ہوں۔ مسلم کی حیثیت سے مجھے اپنی زندگی کا نصب العین مقرر کر لینا ہے۔ اور جو چیزیں اس سے لگا کھاتی ہیں، صرف ان کو لینا ہے اور جو ان سے بے جوڑ ہیں، ان سے احتراز کرنا ہے۔ آپ لوگوں کا حال تو یہ ہے کہ نہ معلوم کتنا وقت کرکٹ کھیلنے اور دیکھنے میں گزار دیتے ہیں۔ جو بات اپنے سروکار کی نہ ہو، اس میں دخل نہیں دینا چاہیے۔ ہر وقت اپنے نصب العین کو نگاہ میں رکھنا چاہیے۔ یہ روایت بہت شان دار ہے۔

حَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ اَنَّهُ بَلَغَهُ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهَا قَالَتْ اسْتَأْذَنَ رَجُلٌ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ عَائِشَةُ وَ اَنَا مَعَهُ فِي الْبَيْتِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِئْسَ ابْنُ الْعَشِيْرَةِ ثُمَّ اَذِنَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ عَائِشَةُ فَلَمْ اَنْشَبْ اَنْ سَمِعْتُ ضَحِكَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَهُ فَلَمَّا خَرَجَ الرَّجُلُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قُلْتَ فِيهِ مَا قُلْتَ ثُمَّ لَمْ تَنْشَبْ اَنْ ضَحِكْتَ مَعَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنِ اتَّقَاهُ النَّاسُ لِشَرِّهِ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آنے کی اجازت مانگی۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں گھر میں آپ کے ساتھ تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ قبیلے کا برا آدمی ہے۔ پھر اس کو اجازت دے دی۔ زیادہ دیر نہ گزری کہ میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ ہنس رہے ہیں۔ جب وہ شخص نکل گیا تو میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ نے اس کے بارے میں جو بات کہی وہ تو کہی اور پھر میں نے آپ کو دیکھا کہ زیادہ دیر نہیں گزری کہ آپ اس کے ساتھ ہنس کر باتیں کر رہے ہیں، (یہ کیا؟)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدترین آدمی وہ ہے کہ جس کے شر کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جلنا ترک کر دیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وضاحت

آدمی سے ملاقات کے دوران میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہنس ہنس کر باتیں کیں تو یہ حقیقت میں آداب گفتگو اور آداب ملاقات میں سے ہے۔ ملنے والا دوست ہو یا دشمن، آدمی کو ملاقات اور گفتگو کے معاملے میں سیاسی ہونا چاہیے۔ یہ مناسب نہیں ہوتا کہ آپ ہر وقت لٹھ لیے بات کریں کہ تو کافر ہے، مرتد ہے، جاہل ہے، میں تجھ سے بات نہیں کرنا چاہتا۔ جو بھی آئے، اس سے بات قرینے سے کریں، دلیل سے کریں، مہذب اور شائستہ طریقے سے کریں۔ یہ آداب گفتگو میں سے ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے متعلق جو یہ فرمایا کہ 'بئس ابن العشیرۃ' اس پر لوگ بحث کرتے ہیں کہ آپ نے یہ غیبت کیوں کر جائز کر لی۔ میرے نزدیک نہ یہ غیبت تھی اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کو جائز کر لیا۔ غیبت وہ ہوتی ہے جس میں کسی کو بدنام کرنا مقصود ہو اور آدمی یہ کام اس کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر کر رہا ہو۔ رستہ چلتے کسی کے بارے میں رائے دینا اس ذیل میں نہیں آتا۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ جو لوگ پبلک زندگی گزارنے کے مدعی ہیں، وہ ہمارے لیڈر اور امام بن کر سامنے آتے ہیں، لوگوں سے وفاداری اور سمع وطاعت کا اقرار لینے کی جدوجہد کرتے ہیں تو ان کی زندگی پبلک ہوتی ہے۔ آپ ان پر ہر جگہ تنقید کر سکتے ہیں، بحث کر سکتے ہیں، اخباروں میں لکھ سکتے ہیں، ان کی ایک ایک چیز پر ان کے لتے لے سکتے ہیں، اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو نمونے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ان کے متعلق کچھ کہنا غیبت نہیں۔ جن لوگوں نے اس کو غیبت سمجھا ہے، میں نہیں جانتا کہ انھوں نے غیبت کا مفہوم کیا سمجھا ہے۔ جو لوگ پبلک میں نہیں جاتے، کوئی دعویٰ نہیں کرتے اور اپنی توفیق کے مطابق جو خدمت بن آئے، وہ کرتے ہیں، اس قسم کے لوگوں کے متعلق اگر کوئی شخص پس پردہ بات کرے اور وہ بات ایسی ہو کہ اس کی خواہش یہ ہو کہ وہ متعلقہ آدمی نہ جاننے پائے تو یہ غیبت ہے، چاہے بات بجائے خود صحیح ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو دوسرے کے منہ پر کہنے کا تو حق حاصل ہے تاکہ اس کو نصیحت ہو، لیکن پس پردہ کہنے کا کیا فائدہ! اس نے اپنے آپ کو پبلک میں تو پیش نہیں کیا ہے۔ لہٰذا میرے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کو غیبت کہنا غلط ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

حَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَمِّهِ اَبِی سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ كَعْبِ الْاَحْبَارِ اَنَّهُ قَالَ اِذَا أَحْبَبْتُمْ اَنْ تَعْلَمُوا مَا لِلْعَبْدِ عِنْدَ رَبِّهِ فَانْظُرُوا مَاذَا يَتْبَعُهُ

مِنُ حُسُنِ الثَّنَاءِ.

ابو سہیل بن مالک اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ کعب احبار نے کہا کہ جب تم یہ جاننا چاہو کہ اس بندے کا اللہ کے ہاں کیا مرتبہ ہے تو اس بات کو دیکھو کہ لوگ اس کے پیچھے کیا تعریف کرتے ہیں۔

وضاحت

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں، بلکہ کعب احبار کی بات ہے۔ میرے خیال میں یہ بات انھوں نے اپنے اس علم کے مطابق کہی ہوگی جو ان کو یہود سے ملا تھا۔ ہمارے ہاں یہ مضمون اس سے قدرے مختلف آتا ہے۔ مثلاً یہ کہ ایک شخص کا جنازہ جا رہا تھا تو لوگوں نے کہا کہ مرنے والا بہت صالح اور متقی بندہ تھا، شاید اس نے جنت پا لی۔ اسی طریقے سے ایک دوسرے آدمی کا جنازہ اٹھا تو لوگوں نے مرنے والے کو برا آدمی کہا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ دونوں آدمیوں کے ساتھ معاملہ لوگوں کی رائے کے مطابق ہوگا، کیونکہ تم لوگ 'شهداء الله فی الارض' (روئے زمین پر اللہ کے گواہ) ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ جب تک یہ امت 'شهداء الله فی الارض' کے مقام پر فائز رہی، اس وقت تک اس کی شہادت کا یہی درجہ تھا کہ جس کے متعلق اس نے کہا کہ خیر ہے، خدا کے ہاں بھی وہ خیر ہی قرار پایا۔ لیکن جب امت اس مرتبہ سے گر گئی تب ان کی شہادت کا کچھ وزن نہیں۔ اس وقت عالم اسلام کے چوٹی کے لیڈروں کا جو پوری قوم کے ماں باپ سمجھے جاتے ہیں، حال یہ ہے کہ ان کی زندگیوں کا اسلام سے کوئی تعلق جوڑنا چاہے تو مشکل سے بھی آپ کو اس کا کوئی سراغ نہیں ملے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ 'شهداء الله فی الارض' نہیں رہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی بات ان لوگوں کے متعلق درست ہے جو اپنے صحیح مقام پر ہیں۔ یہ صالحین و ابرار کے تعلق سے درست ہے، ہمارے اول دور کے متعلق درست ہے، لیکن اس زمانے میں یہ بات غلط ہے کہ جس کے پیچھے جتنے زیادہ لوگ ہیں، وہ اتنا ہی بڑا جنتی ہے۔ ہمارے معاشرہ میں آج کل جتنا ہی کوئی بڑا ممدوح ہے، وہ اتنا ہی دین کے اعتبار سے ناقص نظر آتا ہے۔ لیکن لوگ اس کے شیدائی ہوتے ہیں۔

حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيٰى بْنِ سَعِيدٍ اَنَّهُ قَالَ بَلَغَنِي اَنَّ الْمَرْءَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ الْقَائِمِ بِاللَّيْلِ الظَّامِئِ بِالْهَوَاجِرِ.

یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آدمی اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے رات میں نماز

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کے لیے کھڑے ہونے والے اور سخت دھوپ میں روزہ رکھنے والے کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

وضاحت

حسن اخلاق سے مراد دانت نکال کر بات کرنا نہیں، بلکہ لوگوں کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آنا، لوگوں کی خدمت کرنا، ان سے ہمدردی کرنا، ان کی صحیح رہنمائی کرنا اور ان کی غلطیوں کو معاف کرنا ہے۔ یہ تمام کام جو شخص کرتا ہے، وہ قائم باللیل اور صائم بالنہار کا ثواب حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ نماز چھوڑ دیں، روزہ نہ رکھیں اور پھر بھی وہ مرتبہ آپ کو مل جائے۔ نہیں، آپ نماز پڑھتے رہیں گے، روزہ رکھیں گے اور حسن اخلاق سے پیش آئیں گے تو اگرچہ آپ نے زیادہ نمازیں نہیں پڑھیں، زیادہ روزے نہیں رکھے تو حسن خلق کی وجہ سے ان کی قدرے تلافی ہو جائے گی۔ مقصود آپ کو باکردار آدمی بنانا ہے۔

حدیث میں دوسری جگہ یہ بات بھی آئی ہے کہ ایک خاتون نمازیں تو زیادہ نہیں پڑھتی تھی، لیکن دوسرے اس کی اذیت سے محفوظ رہتے اور وہ کچھ خیرات بھی کرتی تھی، تو آپ نے فرمایا کہ وہ جنتی ہے۔ عبادات میں جتنا فرض اور واجب ہے، وہ کرنا ضروری ہے۔ اگر نماز روزہ چھوڑ دیں گے اور دن رات لوگوں کی خدمت کرتے رہیں گے تو آپ کو کچھ نہیں ملے گا۔ لیکن اگر آپ نماز روزہ واجب طریقے سے کرتے ہیں اور خدمت خلق بھی کرتے ہیں تو بلاشبہ آپ کا جتنا خلق اچھا ہوگا اس سے عبادات میں کمی کی تلافی ہوتی رہے گی۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ عَنْ یَحْیٰی بْنِ سَعِیدٍ اَنَّهٗ قَالَ سَمِعْتُ سَعِیْدَ بْنَ الْمُسَیَّبِ یَقُولُ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِخَیْرٍ مِنْ کَثِیْرٍ مِنَ الصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ قَالُوا بَلٰی قَالَ اِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَیْنِ وَاِیَّاکُمْ وَالْبُغْضَةَ فَاِنَّهَا هِیَ الْحَالِقَةُ.

یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ میں نے سعید بن مسیّب سے سنا۔ وہ لوگوں سے پوچھ رہے تھے کہ کیا میں تم کو بتاؤں کہ زیادہ نماز اور زیادہ صدقہ سے بہتر کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہاں۔ تو کہنے لگے کہ دو آدمیوں کے درمیان معاملہ کی اصلاح کر دینا اور بغض اور عناد سے بچنا کہ یہ چیز مونڈ دینے والی ہے۔

وضاحت

مونڈ دینے کا مطلب یہ ہے کہ پھر اس کے بعد آدمی کے اندر دین کا کوئی شائبہ رہ ہی نہیں جاتا۔ جس طرح سے

حجام سر مونڈ دیتا ہے، اسی طریقے سے باہمی بغض و عناد سارے دین کا تیاپانچہ کر دیتا ہے۔ یہ صالح مسلمانوں کے لحاظ سے درست بات ہے۔ لیکن جو شخص دین کا دشمن ہو گیا ہو، اس سے بغض رکھنا ایمان کی علامت ہے۔

اس روایت کا مطلب بھی اوپر والی روایت کا ہی ہے کہ زیادہ نماز اور زیادہ صدقہ سے بڑھ کر اصلاح ذات البین کا مقام ہے۔ یعنی اگر آپ کے علم میں ہے کہ دو اچھے بھائیوں کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا ہے تو اس اختلاف کو دور کرنا اور ان میں صلح کرا دینا بہت بڑی نیکی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان باہم مل کر ایک دیوار کی طرح ہیں جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔ اگر ایک اینٹ بھی کھسک جائے تو پوری دیوار میں رخنہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس وحدت کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اختلافات دور کیے جائیں۔ یہاں بھی یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اگر دین کے معاملے میں اختلاف ہے تو اس میں خدا کے واسطے سے صلح کرانے کی کوشش نہ کریں۔ اگر آپ کو پورا علم نہیں ہے تو خواہ مخواہ اس میں دخل نہ دیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ اَنَّهُ قَدْ بَلَغَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ حُسْنَ الْأَخْلَاقِ.

امام مالک کو یہ بات پہنچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھیجا گیا ہوں کہ حسن اخلاق کی تکمیل کروں۔

وضاحت

بعض روایتوں میں حسن اخلاق کی جگہ مکارم الاخلاق ہے۔ روایت کے معنی کے لحاظ سے میں اس کو ترجیح دیتا ہوں۔ یہ فرق روایت بالمعنی ہونے کی وجہ سے ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دین مکمل کرنے کے لیے مبعوث ہوئے تو مکارم اخلاق کی تکمیل بھی آپ کے فرائض منصبی میں شامل تھی۔ تمام اعلیٰ اخلاق، اعلیٰ کردار جس کو آپ کیریکٹر کہتے ہیں، اور اس میں قومی کردار بھی شامل ہے اور انفرادی کردار بھی، ان سب میں نقطۂ کمال سے آپ نے امت کو آگاہ فرمایا تاکہ کوئی خلا باقی نہ رہ جائے۔ اور آپ نے اس کا حق ادا کر دیا۔

جاوید احمد غامدی

روزہ

نماز اور زکوٰۃ کے بعد تیسرا فرض روزہ ہے۔ یہ روزہ کیا ہے؟ انسان کے نفس پر جب اس کی خواہشیں غلبہ پا لیتی ہیں تو وہ اپنے پروردگار سے غافل اور اس کے حدود سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی غفلت اور بے پروائی کی اصلاح کے لیے ہم پر روزہ فرض کیا ہے۔ یہ عبادت سال میں ایک مرتبہ پورے ایک مہینے تک کی جاتی ہے۔ رمضان آتا ہے تو صبح سے شام تک ہمارے لیے کھانے پینے اور بیویوں کے ساتھ خلوت کرنے پر پابندی لگ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس نے یہ عبادت ہم سے پہلی امتوں پر بھی اسی طرح فرض کی تھی جس طرح ہم پر فرض کی ہے۔ ان امتوں کے لیے، البتہ اس کی شرطیں ذرا سخت تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے جس طرح دوسری سب چیزوں کو ہلکا کیا، اسی طرح اس عبادت کو بھی بالکل معتدل بنا دیا ہے۔ تاہم دوسری سب عبادتوں کے مقابلے میں یہ اس لیے ذرا بھاری ہے کہ اس کا مقصد ہی نفس کے منہ زور رجحانات کو لگام دے کر ان کا رخ صحیح سمت میں موڑنا اور اسے حدود کا پابند بنا دینا ہے۔ یہ چیز، ظاہر ہے کہ تربیت میں ذرا سختی ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

سحری کے وقت ہم کھا پی رہے ہوتے ہیں کہ یکایک اذان ہوتی ہے اور ہم فوراً ہاتھ روک لیتے ہیں۔ اب خواہشیں کیسا ہی زور لگائیں، دل کیسا ہی مچلے، طبیعت کیسی ہی ضد کرے، ہم ان چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے جن سے روزے کے دوران میں ہمیں روک دیا گیا ہے۔ یہ ساری رکاوٹ اس وقت تک رہتی ہے، جب تک مغرب کی اذان نہیں ہوتی۔ روزہ ختم کر دینے کے لیے ہمارے رب نے یہی وقت مقرر کیا ہے۔ چنانچہ مغرب کے وقت موذن جیسے ہی بولتا ہے، ہم فوراً افطار کے لیے لپکتے ہیں۔ اب رات بھر ہم پر کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ رمضان کا پورا مہینا ہم اسی طرح گزارتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ وقتی طور پر اگرچہ کچھ کمزوری اور کام کرنے کی صلاحیت میں

کمی تو محسوس کرتے ہیں، لیکن اس سے صبر اور تقویٰ کی وہ نعمت ہم کو حاصل ہوتی ہے جو اس زمین پر اللہ کا بندہ بن کر رہنے کے لیے ہماری روح کی اسی طرح ضرورت ہے، جس طرح ہوا اور پانی اور غذا ہمارے جسم کی ضرورت ہے۔ اس سے یہ حقیقت کھلتی ہے کہ آدمی صرف روٹی ہی سے نہیں جیتا، بلکہ اس بات سے جیتا ہے جو اس کے رب کی طرف سے آتی ہے۔

یہ روزہ ہر عاقل و بالغ مسلمان پر فرض ہے، لیکن وہ اگر مرض یا سفر یا کسی دوسرے عذر کی بنا پر رمضان میں یہ فرض پورا نہ کر سکے تو جتنے روزے چھوٹ جائیں، ان کے بارے میں اجازت ہے کہ وہ رمضان کے بعد کسی وقت رکھ لیے جائیں۔ روزوں کی تعداد ہر حال میں پوری ہونی چاہیے۔

اس روزے سے ہم بہت کچھ پاتے ہیں۔ سب سے بڑی چیز اس سے یہ حاصل ہوتی ہے کہ ہماری روح خواہشوں کے زور سے نکل کر علم و عقل کی ان بلندیوں کی طرف پرواز کے قابل ہو جاتی ہے، جہاں آدمی دنیا کی مادی چیزوں سے برتر اپنے رب کی بادشاہی میں جیتا ہے۔

اس مقصد کے لیے روزہ ان سب چیزوں پر پابندی لگاتا ہے جن سے خواہشیں بڑھتی ہیں اور لذتوں کی طرف میلان میں اضافہ ہوتا ہے۔ بندہ جب یہ پابندی جھیلتا ہے تو اس کے نتیجے میں زہد و فقیری کی جو حالت اس پر طاری ہو جاتی ہے، اس سے وہ دنیا سے ٹوٹتا اور اپنے رب سے جڑتا ہے۔ روزے کا یہی پہلو ہے جس کی بنا پر اللہ نے فرمایا ہے کہ روزہ میرے لیے ہے اور اس کی جزا بھی میں اپنے ہاتھ سے دوں گا، اور فرمایا کہ روزے دار کے منہ کی بو مجھے مشک کی خوش بو سے زیادہ پسند ہے۔

ہر اچھے کام کا اجر سات سو گنا ہو سکتا ہے، لیکن روزہ اس سے بھی آگے ہے۔ اس کی جزا کیا ہو گی؟ اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ جب بدلے کا دن آئے گا تو وہ یہ بھید کھولے گا اور خاص اپنے ہاتھ سے ہر روزے دار کو اس کے عمل کا صلہ دے گا۔ پھر کون اندازہ کر سکتا ہے کہ آسمان و زمین کا مالک جب اپنے ہاتھ سے صلہ دے گا تو اس کا بندہ کس طرح نہال ہو جائے گا۔

دوسری چیز اس سے یہ حاصل ہوتی ہے کہ انسان کے وجود میں فتنے کے دروازے بڑی حد تک بند ہو جاتے ہیں۔ یہ زبان اور شرم گاہ، یہی دونوں وہ جگہیں ہیں جہاں سے شیطان بالعموم انسان پر حملہ کرتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مجھے ان دو چیزوں کے بارے میں ضمانت دے گا جو اس کے دونوں گالوں اور دونوں ٹانگوں کے درمیان ہیں، میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ روزہ ان دونوں پر پہرا بٹھا دیتا ہے اور صرف کھانا پینا

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ہی نہیں، زبان اور شرم گاہ میں حد سے بڑھنے کے جتنے میلانات ہیں، ان سب کو کمزور کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ آدمی کے لیے وہ کام بہت آسان ہو جاتے ہیں جن سے اللہ کی رضا اور جنت مل سکتی اور ان کاموں کے راستے اس کے لیے بڑی حد تک بند ہو جاتے ہیں جن سے اللہ ناراض ہوتا ہے اور جن کی وجہ سے وہ دوزخ میں جائے گا۔ یہی حقیقت ہے جسے اللہ کے نبی نے اس طرح بیان کیا ہے کہ روزوں کے مہینے میں شیطان کو بیڑیاں پہنا دی جاتی ہیں۔

تیسری چیز یہ حاصل ہوتی ہے کہ انسان کا اصلی شرف، یعنی ارادے کی قوت اس کی شخصیت میں نمایاں ہو جاتی ہے اور اس طریقے پر تربیت پا لیتی ہے کہ وہ اس کے ذریعے سے اپنی طبیعت میں پیدا ہونے والے ہر ہیجان کو اس کے حدود میں رکھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ ارادے کی یہ قوت اگر کسی شخص میں کمزور ہو تو وہ نہ اپنی خواہشوں کو بے لگام ہونے سے بچا سکتا ہے، نہ اللہ کی شریعت پر قائم رہ سکتا ہے اور نہ طمع، اشتعال، نفرت اور محبت جیسے جذبوں کو اعتدال پر قائم رکھ سکتا ہے۔ یہ سب چیزیں انسان سے صبر چاہتی ہیں اور صبر کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان میں ارادے کی قوت ہو۔ روزہ اس قوت کو بڑھاتا اور اس کی تربیت کرتا ہے۔ پھر یہی قوت انسان کو برائی کے مقابلے میں اچھائی پر قائم رہنے میں مدد دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے نبی نے روزے کو ڈھال کہا اور انسان کو بتایا کہ وہ برائی کی ہر ترغیب کے سامنے یہ ڈھال اس طرح استعمال کرے کہ جہاں کوئی شخص اسے برائی پر ابھارے، وہ اس کے جواب میں یہ کہہ دے کہ میں تو روزے سے ہوں۔

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

چوتھی چیز یہ حاصل ہوتی ہے کہ انسان میں ایثار کا جذبہ ابھرتا ہے اور اسے دوسروں کے دکھ درد کو سمجھنے اور ان کے لیے کچھ کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ روزے میں آدمی کو بھوک اور پیاس کا جو تجربہ ہوتا ہے، وہ اسے غریبوں کے قریب کر دیتا ہے اور ان کی ضرورتوں کا صحیح احساس اس میں پیدا کرتا ہے۔ روزے کا یہ اثر، بے شک کسی پر کم پڑتا ہے اور کسی پر زیادہ، لیکن ہر شخص کی صلاحیت اور اس کی طبیعت کی سلامتی کے لحاظ سے پڑتا ضرور ہے۔ وہ لوگ جو اس اعتبار سے زیادہ حساس ہوتے ہیں، ان کے اندر تو گویا دریا امنڈ پڑتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ آپ یوں تو ہر حال میں بے حد فیاض تھے، مگر رمضان میں تو بس جود و کرم کے بادل بن جاتے اور اس طرح برستے کہ ہر طرف جل تھل ہو جاتا تھا۔

پانچویں چیز یہ حاصل ہوتی ہے کہ رمضان کے مہینے میں روزے دار کو جو خلوت اور خاموشی اور دوسروں سے کسی حد تک الگ تھلگ ہو جانے کا موقع ملتا ہے، اس میں قرآن مجید کی تلاوت اور اس کے معنی کو سمجھنے کی طرف بھی طبیعت زیادہ مائل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ کتاب اسی ماہ رمضان میں اتاری اور اسی نعمت کی شکر گزاری کے لیے اس کو

روزوں کا مہینا بنا دیا ہے۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جبریل علیہ السلام بھی اسی مہینے میں قرآن سننے اور سنانے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے۔ روزے سے قرآن مجید کی یہی مناسبت ہے جس کی بنا پر امت کے اکابر اس مہینے میں اپنے نبی کی پیروی میں رات کے پچھلے پہر اور عام لوگ آپ ہی کی اجازت سے عشا کے بعد نفلوں میں اللہ کا کلام سنتے اور سناتے رہے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کی راتوں میں نماز کے لیے کھڑا رہا، اس کا یہ عمل اس کے پچھلے گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن جائے گا۔

چھٹی چیز یہ حاصل ہوتی ہے کہ آدمی اگر چاہے تو اس مہینے میں بہت آسانی کے ساتھ اپنے پورے دل اور پوری جان کے ساتھ اپنے رب کی طرف متوجہ ہو سکتا ہے۔ اللہ کے بندے اگر یہ چیز آخری درجے میں حاصل کرنا چاہیں تو اس کے لیے اسی رمضان میں اعتکاف کا طریقہ بھی مقرر کیا گیا ہے۔ یہ اگرچہ ہر شخص کے لیے ضروری نہیں ہے، لیکن دل کو اللہ کی طرف لگانے کے لیے یہ بڑی اہم عبادت ہے۔ اعتکاف کے معنی ہمارے دین میں یہ ہیں کہ آدمی دس دن یا اپنی سہولت کے مطابق اس سے کم کچھ دنوں کے لیے سب سے الگ ہو کر اپنے رب سے لو لگا کر مسجد میں بیٹھ جائے اور اس عرصے میں کسی ناگزیر ضرورت ہی کے لیے وہاں سے نکلے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں اکثر اس کا اہتمام فرماتے تھے اور خاص طور پر اس ماہ کے آخری دس دنوں میں رات کو خود بھی زیادہ جاگتے، اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے اور پوری مستعدی کے ساتھ اللہ کی عبادت میں لگے رہتے تھے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

یہ سب چیزیں روزے سے حاصل ہو سکتی ہیں، مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ روزے دار ان خرابیوں سے بچیں جو اگر روزے میں در آئیں تو اس کی ساری برکتیں بالکل ختم ہو جاتی ہیں۔ یہ خرابیاں اگرچہ بہت سی ہیں، لیکن ان میں بعض ایسی ہیں کہ ہر روزے دار کو ان کے بارے میں ہر وقت ہوشیار رہنا چاہیے۔

ان میں سے ایک خرابی یہ ہے کہ لوگ رمضان کو لذتوں اور چٹخاروں کا مہینا بنا لیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس مہینے میں جو بھی خرچ کیا جائے، اس کا اللہ کے ہاں کوئی حساب نہیں ہے۔ چنانچہ اس طرح کے لوگ اگر کچھ کھاتے پیتے بھی ہوں تو ان کے لیے تو پھر یہ مزے اڑانے اور بہار لوٹنے کا مہینا ہے۔ وہ اس کو نفس کی تربیت کے بجائے اس کی پرورش کا مہینا بنا لیتے ہیں اور ہر روز افطار کی تیاریوں ہی میں صبح کو شام کرتے ہیں۔ وہ جتنا وقت روزے سے ہوتے ہیں، یہی سوچتے ہیں کہ سارے دن کی بھوک پیاس سے جو خلا ان کے پیٹ میں پیدا ہوا ہے، اسے وہ اب کن کن نعمتوں سے بھریں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اول تو روزے سے وہ کچھ پاتے ہی نہیں اور اگر کچھ پاتے ہیں تو اسے وہیں کھو دیتے ہیں۔

اس خرابی سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے اندر کام کی قوت کو باقی رکھنے کے لیے کھائے پیے تو ضرور، لیکن اس کو جینے کا مقصد نہ بنالے۔ جو کچھ بغیر کسی اہتمام کے مل جائے، اس کو اللہ کا شکر کرتے ہوئے کھالے۔ گھر والے جو کچھ دستر خوان پر رکھ دیں، وہ اگر دل کو نہ بھی بھائے تو اس پر خفا نہ ہو۔ اللہ نے اگر مال و دولت سے نوازا ہے تو اپنے نفس کو پالنے کے بجائے، اسے غریبوں اور فقیروں کی مدد اور ان کے کھلانے پلانے پر خرچ کرے۔ یہ چیز یقیناً اس کے روزے کی برکتوں کو بڑھائے گی۔ روایتوں میں آتا ہے کہ اللہ کے نبی نے رمضان میں اس عمل کی بڑی فضیلت بیان کی ہے۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ بھوک اور پیاس کی حالت میں چونکہ طبیعت میں کچھ تیزی پیدا ہو جاتی ہے، اس وجہ سے بعض لوگ روزے کو اس کی اصلاح کا ذریعہ بنانے کے بجائے، اسے بھڑکانے کا بہانہ بنا لیتے ہیں۔ وہ اپنے بیوی بچوں اور اپنے نیچے کام کرنے والوں پر ذرا ذرا سی بات پر برس پڑتے، جو منہ میں آیا، کہہ گزرتے، بلکہ بات بڑھ جائے تو گالیوں کا جھاڑ باندھ دیتے ہیں اور بعض حالتوں میں اپنے زیر دستوں کو مارنے پیٹنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ اس کے بعد وہ اپنے آپ کو یہ کہہ کر مطمئن کر لیتے ہیں کہ روزے میں ایسا ہو ہی جاتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اس کا علاج اللہ کے نبی نے یہ بتایا ہے کہ آدمی اس طرح کے سب موقعوں پر روزے کو اس اشتعال کا بہانہ بنانے کے بجائے اس کے مقابلے میں ایک ڈھال کی طرح استعمال کرے، اور جہاں اشتعال کا کوئی موقع پیدا ہو، فوراً یاد کرے کہ میں روزے سے ہوں۔ وہ اگر غصے اور اشتعال کے ہر موقع پر یاددہانی کا یہ طریقہ اختیار کرے گا تو آہستہ آہستہ دیکھے گا کہ بڑی سے بڑی ناگوار باتیں بھی اب اسے گوارا ہیں۔ وہ محسوس کرے گا کہ اس نے اپنے نفس کے شیطان پر اتنا قابو پالیا ہے کہ وہ اب اسے گرا لینے میں کم ہی کامیاب ہوتا ہے۔ شیطان کے مقابلے میں فتح کا یہ احساس اس کے دل میں اطمینان اور برتری کا احساس پیدا کرتا ہے اور روزے کی یہی یاددہانی اس کی اصلاح کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ پھر وہ وہیں غصہ کرتا ہے، جہاں اس کا موقع ہوتا ہے۔ وقت بے وقت اسے مشتعل کر دینا کسی کے لیے ممکن نہیں رہتا۔

تیسری خرابی یہ ہے کہ بہت سے لوگ جب روزے میں کھانے پینے اور اس طرح کی دوسری دل چسپیوں کو چھوڑتے ہیں تو اپنی اس محرومی کا مداوا ان دل چسپیوں میں ڈھونڈنے لگتے ہیں جن سے ان کے خیال میں روزے کو کچھ نہیں ہوتا، بلکہ وہ بہل جاتا ہے۔ وہ روزہ رکھ کر تاش کھیلیں گے، ناول اور افسانے پڑھیں گے، نغمے اور غزلیں سنیں گے، فلمیں دیکھیں گے، دوستوں میں بیٹھ کر گپیں ہانکیں گے اور اگر یہ سب نہ کریں گے تو کسی کی غیبت اور ہجو ہی میں

لپٹ جائیں گے۔ روزے میں پیٹ خالی ہو تو آدمی کو اپنے بھائیوں کا گوشت کھانے میں ویسے بھی بڑی لذت ملتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بعض اوقات صبح اس مشغلے میں پڑتے ہیں اور پھر موذن کی اذان کے ساتھ ہی اس سے ہاتھ کھینچتے ہیں۔

اس خرابی کا ایک علاج تو یہ ہے کہ آدمی خاموشی کو روزے کا ادب سمجھے اور زیادہ سے زیادہ یہی کوشش کرے کہ اس کی زبان پر کم سے کم اس مہینے میں تو تالا لگا رہے۔ اللہ کے نبی نے فرمایا کہ آدمی اگر ہر قسم کی جھوٹی سچی باتیں زبان سے نکالتا ہے تو اللہ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔

اس کا دوسرا علاج یہ ہے کہ جو وقت ضروری کاموں سے بچے، اس میں آدمی قرآن وحدیث کا مطالعہ کرے اور دین کو سمجھے۔ وہ روزے کی اس فرصت کو غنیمت سمجھ کر اس میں قرآن مجید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی دعاؤں کا کچھ حصہ یاد کر لے۔ اس طرح وہ اس وقت ان مشغلوں سے بچے گا اور بعد میں یہی ذخیرہ اللہ کی یاد کو اس کے دل میں قائم رکھنے کے لیے اس کے کام آئے گا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

چوتھی خرابی یہ ہے کہ آدمی بعض اوقات روزہ اللہ کے لیے نہیں، بلکہ اپنے گھر والوں اور ملنے جلنے والوں کی ملامت سے بچنے کے لیے رکھتا ہے اور کبھی لوگوں میں اپنی دین داری کا بھرم قائم رکھنے کے لیے یہ مشقت جھیلتا ہے۔ یہ چیز بھی روزے کو روزہ نہیں رہنے دیتی۔

اس کا علاج یہ ہے کہ آدمی روزے کی اہمیت ہمیشہ اپنے نفس کے سامنے واضح کرتا رہے اور اسے تلقین کرے کہ جب کھانا پینا اور دوسری لذتیں چھوڑ ہی رہے ہو تو پھر انھیں اللہ کے لیے کیوں نہیں چھوڑتے۔ اس کے ساتھ رمضان کے علاوہ کبھی کبھی نفلی روزے بھی رکھے اور انھیں زیادہ سے زیادہ چھپانے کی کوشش کرے۔ اس سے امید ہے کہ اس کے یہ فرض روزے بھی کسی وقت اللہ ہی کے لیے خالص ہو جائیں گے۔

ساجد حمید

متن حدیث میں علما کے تصرفات

[یہ مضمون میری ایک تحریر کا جزو ہے۔ جسے افادۂ عام کے لیے تحریر کے مکمل ہونے سے پہلے شائع کیا جا رہا ہے تاکہ نقد و جرح کے عمل سے گزر جائے۔ احادیث مبارکہ کے متون میں جو باتیں آئی ہیں، وہ اہل علم کے تصرفات کے نتیجے میں بہت حد تک بدل چکی ہیں۔ یہ تحریر اس بات کی سعی ہے کہ متون حدیث کو ان تصرفات سے پاک کر کے دیکھا جائے۔ اس تحریر میں ہر ایک تصرف کی چند مثالوں سے بات کو قابل فہم بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان تصرفات سے پاک کرنے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل بات کسی حد تک سامنے آ جاتی ہے، جس پر پھر عقل و نقل کے اعتراض وارد کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ گویا یہ دفاع حدیث کا ایک اسلوب ہے، جسے میں متعارف کرانا چاہتا ہوں۔ یہ مدرسۂ فراہی کا خاص طرز فکر ہے۔ اس عمل سے چونکہ حدیث کی بنا پر بنی ہوئی ہماری پہلے سے موجود آرا تبدیل ہو جاتی ہیں، جس سے لوگوں کو توحش اور اجنبیت سی محسوس ہوتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اصل بات کی طرف لوٹنا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس اصل بات کی طرف جو ہمارے تصرفات سے پاک ہو۔ یہ بلاشبہ ایک مشکل اور نازک کام ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ کوتاہیوں، خطاؤں، لغزشوں اور نفس کے بہکاووں سے بچائے، آمین۔ مصنف]

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

۱

حدیث کے ساتھ ہمارے تصرفات کی ایک اہم صورت متن حدیث کو اجزا میں بانٹنا ہے۔ اس کے لیے ہم اس مضمون میں تجزئہ حدیث اور تجزئہ کی اصطلاح استعمال کریں گے۔ تجزئہ کا یہ عمل کئی وجوہات سے ہوا ہے۔ مثلاً یہ کہ راوی نے، فطری طور پر، برسر موقع، جتنی بات کی ضرورت تھی، اتنی بات بیان کی، باقی بات یا اس سے متعلق دیگر تفصیلات بیان نہیں کیں۔ مصنف محدثین نے اپنی کتاب کی موضوعاتی ترتیب کے لحاظ سے حدیث کا جتنا متن

ایک موضوع سے متعلق تھا، وہ ایک جگہ لکھ دیا باقی دوسری جگہ، وغیرہ۔ اس عمل سے حدیث کے ٹکڑے مختلف ابواب میں بکھر گئے، جس سے پوری بات ہمارے سامنے موجود نہ رہی، اور ہر ٹکڑا الگ الگ حیثیت سے مکمل بات کے طور پر لے لیا گیا۔ تجزئہ حدیث کی ایک مثال ذیل میں دی جاتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے درج ذیل حدیث جب اسبال ازار کے باب میں لکھی تو اس کے الفاظ یہ تھے:

عن سالم بن عبد الله، عن أبيه رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه و سلم قال: ((من جر ثوبه خيلاء لم ينظر الله إليه يوم القيامة)) قال أبو بكر: يا رسول الله، إن أحد شقي إزاري يسترخي، إلا أن أتعاهد ذلك منه؟ فقال النبى صلى الله عليه و سلم: لست ((ممن يصنعه خيلاء)). (رقم ۵۷۸۴)

یہی روایت جب ''کسی دوست یا عزیز کی بر بنائے علم تعریف کرنے'' سے متعلق باب[1] میں درج کی تو انھوں نے اختصار کے لیے روایت کے بعض حصوں کو بیان ہی نہیں کیا، اور حسب ضرورت اس کے الفاظ کو مختصر بھی کر دیا۔ حالانکہ دونوں روایتیں سالم اور ان کے والد گرامی عبد اللہ ہی سے ہیں:

عن سالم، عن أبيه: أن رسول الله صلى الله عليه و سلم حين ذكر فى الإزار ما ذكر، قال أبو بكر: يا رسول الله، إن إزاري يسقط من أحد شقيه؟ قال: ((إنك لست منهم)). (رقم ۶۰۶۲)

ہم نے بدلے ہوئے الفاظ کو دونوں متون میں خط کھینچ کر نمایاں کر دیا ہے۔ یہ تصرف راوی نے کیا ہو، یا امام صاحب نے، دونوں صورتوں میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابواب کی رعایت یا موقع سے مناسبت پیدا کرنے کے لیے ایسا کیا جاتا تھا۔

یہ طرز عمل آہستہ آہستہ معمول بہ بن گیا۔ اس میں کوئی عیب محسوس نہیں کیا گیا۔ چنانچہ اسی نہج پر بعد میں ہمارے علما بالعموم مکمل بات کے حصول کے بجائے ایک ایک ٹکڑے کو فرمان نبوی قرار دیتے ہوئے اس پر بنائے حکم رکھنے لگے۔ اس عمل میں بظاہر یہ خوبی ہے کہ ہم ہر ہر بات کو اپنے لیے حکم شرعی سمجھیں اور اس کی تعمیل کریں، لیکن ساتھ ہی اس میں یہ خرابی ہے کہ ہم اصل بات کو نہیں مان رہے ہوتے، بلکہ یا اس کے ایک جز کو مان رہے ہوتے ہیں، یا پھر کوئی اور ہی بات جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی بھی نہیں ہوتی، اس پر عمل پیرا ہو رہے ہوتے ہیں۔ مثلاً میں

---

[1] باب من أثنى على أخيه بما يعلم۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اپنے بچوں سے کہوں کہ جس نے دھوپ میں کالا چشمہ نہ لگایا، اسے کھانا نہیں ملے گا۔ میرا ایک بچہ تابع داری میں یہ کرے کہ والد صاحب نے چشمہ لگانے کو کہا ہے، لہٰذا وہ دھوپ ہو نہ ہو، دن رات کالا چشمہ لگانے لگے، تو یہ میرے حکم کی تعمیل نہیں، کیونکہ میں نے اسے ہر وقت عینک لگانے کا حکم نہیں دیا تھا۔ میرا حکم صرف دھوپ کے ساتھ خاص تھا۔ اس نے میرے حکم کے ایک جزو کو اصل حکم قرار دے کر یہ غلط روش اپنائی۔

اسبال ازار کا حکم اور تجزئہ حدیث

اسی اصول پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان دیکھیے:

من جر ثوبه من الخيلاء، لم ينظر الله إليه يوم القيامة. (سنن ابن ماجہ، رقم ۳۵۷۱)

”جس نے اپنا کپڑا تکبر کی بنا پر لٹکایا، قیامت کے دن اللہ اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔“

اس فرمان نبوی کے ساتھ بھی ہم نے وہی کیا جو دھوپ کے چشمے والی مثال میں اوپر بیان ہوا ہے کہ حکم کے جزو کو لیتے ہوئے اسے دھوپ کے علاوہ بھی پہنا گیا۔ اسی طرح اس حدیث میں پائنچے نیچے کرنے کا عمل صرف تکبر کے ساتھ ہی ممنوع ہوا تھا، مگر ہم نے تکبر کے بغیر بھی منع کر ڈالا، اور اب صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ علما بھی اس حکم کو محض ٹخنے ننگے رکھنے کا حکم سمجھتے ہیں[۲]۔ چنانچہ وہ نماز کی اقامت کے وقت اعلان کرتے ہیں کہ ٹخنے ننگے کر لیں۔ چنانچہ جب ایک پابند صوم وصلوٰۃ آدمی کو یہ بتایا جاتا ہے کہ اگر تمھاری شلوار یا پاجامہ ٹخنے سے ذرا سے بھی نیچے ہوئے تو تم دوزخ میں جاؤ گے، تو وہ آگے سے پوچھتا ہے: اتنے چھوٹے سے عمل کی وجہ سے نماز، روزہ اور زکوٰۃ جیسے اتنے بڑے بڑے اعمال کیا سب اکارت چلے جائیں گے؟ یہ کیسی عجیب بات ہے جو آپ کر رہے ہیں؟ کیا واقعی یہ حکم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے دیا ہے[۳]؟ اس آدمی کا تردد بجا ہے، اس لیے کہ ہم نے اصل جرم، یعنی تکبر جس کو حدیث نمایاں کرنا چاہتی

۲۔ کوئی یہ کہہ سکتا ہے بعض احادیث میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ لباس ٹخنوں سے اوپر رکھو۔ بلا شبہ یہ الفاظ آئے ہیں، مگر ان کی وجہ بھی تکبر ہی ہے۔ مثلاً ابن ماجہ کی روایت رقم ۳۵۷۳ دیکھیے اس حدیث میں آخری لفظ 'بطرًا' آیا ہے، جس کے معنی بربنائے تکبر کے ہیں۔ یہی معاملہ نماز میں اسبال ازار سے متعلق روایات کا ہے: 'سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إزرة المؤمن إلى أنصاف ساقيه، لا جناح عليه ما بينه وبين الكعبين، وما أسفل من الكعبين في النار. يقول ثلاثًا: لا ينظر الله إلى من جر إزاره بطرًا'۔

۳۔ واضح رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبر کے نہ ہوتے ہوئے پائنچے لٹکانا ممنوع قرار نہیں دیا: دیکھیے صحیح بخاری، رقم: ۶۰۶۲ 'عن سالم، عن أبيه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم حين ذكر في الإزار ما ذكر، قال

تھی، اسے فراموش کر دیا، محض ٹخنے ننگے رکھنے کو ایمان و عمل صالح کے لیے سبب حبط قرار دے دیا۔

اگر تمام احادیث کو اکٹھا کیا جائے تو ٹخنے ننگے رکھنے کا حکم ہرگز منشاے حدیث معلوم نہیں ہوتا۔ اصل حکم پر نگاہ ڈالیے تو بات ہی کچھ اور نکلتی ہے۔ مثلاً حدیث مبارکہ کے درج ذیل الفاظ پر غور کیجیے:

الإسبال فی الإزار والقمیص والعمامة من جر شیئًا خیلاء لم ینظر اللّٰہ تعالٰی إلیه یوم القیامة. (سنن ابن ماجہ، رقم ۳۵۷۶)

''اسبال تہ بند، قمیض اور پگڑی سب میں ہوتا، جس نے کوئی بھی چیز تکبر سے لٹکائی، اللہ اس کی طرف قیامت کے دن نظر بھی نہیں کرے گا۔''

اس حدیث کے مطابق اسبال کا تعلق تہ بند، عمامہ اور قمیض غرض ہر کپڑے سے ہے، جبکہ ہمارے ہاں یہ حکم ٹخنے سے خاص ہو گیا۔ اس کی وجہ متون حدیث پر ہمارے تصرفات ہیں کہ کبھی محدثین نے اپنی ضرورت کی بنا پر اور کبھی راویوں نے بیان کے فطری تقاضوں کی وجہ سے حضور اکرم کی بات کو پورا بیان نہیں کیا، جس کی وجہ سے بات بدل گئی۔ جبکہ حدیث کا اصل مضمون اظہارِ تکبر کی حرمت ہے۔ چنانچہ جس جس چیز سے تکبر ظاہر ہوگا، وہ منع ہو گی۔ لباس میں عام طور پر بعض تہذیبوں میں اظہار تکبر کے لیے کپڑے کے پلو کو لٹکانا، تہ بند کا زمین پر گھسٹنا، پگڑی کے شملہ اور طرہ کا بڑا ہونا، پشواز کا لمبا ہونا بڑائی کے اظہار کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا، یا سمجھا جاتا ہے۔ بڑائی کے اسی اظہار کو تکبر کہا جاتا ہے، جس کو قرآن مجید نے بلاشبہ ایسا جرم قرار دیا ہے کہ جس کے مرتکب کے لیے جنت میں داخلہ حرام ہے۔ مثلاً دیکھیے سورۂ اعراف (۷: ۴۰)۔ یہ جرم اس لیے کبیرہ ہے کہ اس سے دوسرے انسانوں کی تحقیر ہوتی ہے، اور یہ قبولیت حق میں رکاوٹ بنتا ہے[۴]۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کفار کی مشابہت اور تجزئہ حدیث

ہمارے دینی احکام میں ایک معروف حکم یہود و نصاریٰ کی مشابہت کی نہی ہے۔ ہمارے ہاں اس کے عام معنی یہ

أبو بکر: یا رسول اللّٰہ، إن إزاری یسقط من أحد شقیه؟ قال: إنك لست منهم '۔ بعض علمانے تو یہ تک کہا ہے کہ لفظ اسبال کے معنی ہی یہ ہیں کہ غرور و تکبر کی بنا پر کسی کپڑے کو ضرورت سے زیادہ لمبا بنانا، اور اسے زمین کو لگنے دینا۔ مثلاً ابن الاعرابی کہتے ہیں کہ: 'المسبل الذی یطول ثوبه ویرسله إلی الأرض یفعل ذلك تبخترًا واختیالًا' (مرقاۃ المفاتیح ۲/ ۶۳۴)۔

۴؎ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: 'الْکِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ، وَغَمْطُ النَّاسِ '، یعنی تکبر یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے حق کا انکار کرو، اور لوگوں کی تحقیر کرو۔ (صحیح مسلم، رقم ۱۴۷)

سمجھے گئے ہیں کہ اس حدیث میں یہود و نصاریٰ کا لباس وغیرہ پہننے اور ان کے دینی شعار کو اپنانے سے منع کیا گیا ہے۔ مثلاً اس حدیث کی رو سے پتلون اور بوشرٹ جیسی چیزیں پہننا منع ہوں گی، اور اگر الفاظ کا لحاظ رکھا جائے تو 'من تشبه بقومٍ فهو منهم' کے مطابق جس نے ان کی مشابہت اپنائی تو وہ انھی میں سے ہوگا، یعنی قیامت کے دن ان میں سے اٹھے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک صاحب ایمان جب عیسائی قوم کا لباس پہن لے تو اپنے ایمان کے باوجود وہ عیسائی قوم میں سے سمجھا جائے گا۔ اس حدیث سے یہی سمجھا گیا ہے، اور اس کا زیادہ تر استعمال اسی ظاہری ہیئت کے لیے ہوا ہے۔[۵] لیکن شاید اس بات پر غور نہیں کیا گیا کہ یہ ایک غلط تصور ہے۔ مثلاً اگر ایک آدمی صوم و صلوٰۃ کا پابند ہے، ایمان کا پختہ ہے، حقوق اللہ اور حقوق العباد کا پورا پورا خیال رکھتے ہوئے زندگی گزارتا ہے، لیکن مسئلہ صرف یہ ہے کہ وہ عیسائیوں کا لباس پہنتا ہے۔ اس فتویٰ کی روشنی میں وہ قیامت کے دن مذہب کلیسا پر سمجھا جائے گا۔ اب نہ اس کی نمازیں اور روزے کام آئیں گے اور نہ ایمان و عمل، اس لیے کہ حدیث کے الفاظ ہیں:

من تشبه بقومٍ فهو منهم. ''جس نے کسی قوم کی مشابہت اپنائی، وہ انھی میں سے ہوگا۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اسوۂ حسنہ کے اعتبار سے بھی یہ بات غلط ہے، کفار مکہ کے مقابلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے یہ نہیں کہا کہ تم قریش کی مشابہت نہ کرو۔ نئی طرز کا لباس سلواؤ۔ اس حدیث میں اس معنی کے درآنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم نے اس کے ٹکڑے کر کے سمجھا۔ اس میں ہونے والے اس تصرف کے شواہد کو ہم ذیل کے حوالوں سے سمجھ سکتے ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ یہ حدیث مسند احمد بن حنبل رحمہ اللہ میں یوں روایت ہوئی ہے:

عن أبي منيب الجرشي، عن ابن عمر قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: بعثت بالسيف حتى يعبد اللّٰه لا شريك له، وجعل رزقي تحت ظل رمحي، وجعل الذلة، والصغار على من خالف أمري، ومن تشبه بقوم فهو منهم. (رقم ۵۱۱۴)

۵؎ البتہ ظاہری معنی میں لینے والوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ظاہری مشابہت داخلی مشابہت تک لے جاتی ہے۔ بقول صاحب تمہید افعال میں مشابہت بھی مراد لی گئی ہے: 'فَقِيلَ مَنْ تَشَبَّهَ بِهِمْ فِي اَفْعَالِهِمْ وَقِيلَ مَنْ تَشَبَّهَ بِهِمْ فِي هَيْئَاتِهِمْ' (۶:۸۰) مصباح الزجاجۃ مع إنجاح الحاجۃ میں ہے: 'وَيحتَمل ان يكون الْمَعْنى حَتَّى يُفَارق الْمُشركين فِي زيهم وعادتهم الى زِيّ الْمُسلمين فِي الْعَادَات والمعاملات فَإِن من تشبه بِقوم فَهُوَ مِنْهُم وَاللّٰه أعلم' (إِنْجَاح الْحَاجة ۱۸۲) اس میں حلیہ، عادات اور معاملات تین امور میں مشابہت کو حدیث کی مراد قرار دیا گیا ہے۔

ابن عمر ہی کی روایت سے یہ حدیث جب امام ابوداؤد رحمہ اللہ اپنی سنن کی ''کتاب اللباس'' میں لائے، تو چونکہ اس کے بعض جملے ''کتاب اللباس'' سے میل نہیں کھاتے تھے، لہٰذا انھوں نے وہ جملے محذوف کر دیے اور آخری جملہ نقل کرنے پر اکتفا کی۔ مذکورہ بالا حدیث کے محذوف الفاظ کو خط کشید کر کے نمایاں کر دیا گیا ہے:

عن أبی منیب الجرشی، عن ابن عمر، قال : قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من تشبہ بقوم فھو منھم. (رقم ۴۰۳۱)

لہٰذا یہ آخری جملہ اپنے سیاق وسباق سے کٹ گیا اور ایک مطلق اصول کی صورت اختیار کر گیا۔ چنانچہ اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مبارک ضرب المثل کی طرح بولا جاتا ہے کہ 'من تشبہ بقوم فھو منھم'، جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ انھی میں سے ہوگا۔ یہ حدیث مبارکہ جب اپنے سیاق وسباق سے کٹ گئی تو پھر ایک نئے معنی اس جملے میں آ گئے۔ وہ یہ کہ آپ جس قوم کا حلیہ اپنائیں گے آپ کا انجام بھی ان جیسا ہوگا۔ مثلاً آپ نے پتلون اور ٹائی پہنی ہے تو اپنے ایمان اور صوم وصلوٰۃ کی پابندی کے باوجود اب آپ عیسائیوں کے ساتھ اٹھیں گے، اس لیے کہ آپ نے ان کی مشابہت اختیار کر لی ہے۔ اب آپ کا نہ کلمہ پڑھنا کام آئے گا اور نہ نماز روزہ۔ یہ بات اس لیے زبانوں سے نکلی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری بات کے بجائے ایک جملے کو مدار رائے بنایا گیا۔ جبکہ یہ سرتا سر ہمارا اپنا تصرف تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اس عیب سے بالکل پاک تھے۔ اب اس حدیث کے اس مکمل متن پر دوبارہ نظر ڈال لیں، جس سے اس کا سیاق وسباق واضح ہوتا ہے۔ پھر یہ بات سمجھنا آسان ہوگا کہ ہمارے تصرفات سے تجزئہ حدیث کا عمل کیا اثرات پیدا کرتا ہے، اور ان شاء اللہ یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس حدیث کا اصل مدعا کیا تھا۔ ابن شیبہ رحمہ اللہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

عن ابن عمر، قال : قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: إن اللّٰہ جعل رزقی تحت رمحی وجعل الذلۃ والصغار علی من خالف أمری، من تشبہ بقومٍ فھو منھم.

(رقم ۳۳۰۱۶، ۶/۴۷۱)

''ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا رزق میرے نیزے کے تحت رکھا گیا ہے۔ اور جو میری مخالفت کرے گا اس کے لیے ذلت اور میری ماتحتی لکھ دی ہے، جس نے کسی قوم کی مشابہت کی، وہ ان میں سے ہوگا۔''

مسند احمد بن حنبل کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابن عمر قال: قال رسول اللّٰہ

''ابن عمر کہتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے

صلى الله عليه وسلم: بعثت بالسيف حتى يعبد الله لا شريك له، وجعل رزقي تحت ظل رمحي، وجعل الذلة، والصغار على من خالف أمري، ومن تشبه بقوم فهو منهم. (رقم ۵۱۱۴)

فرمایا، مجھے تلوار کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔کہ میں تلوار کے ساتھ جہاد کروں حتیٰ کہ صرف اللہ، جس کا کوئی شریک نہیں کی عبادت کی جائے۔ میرا رزق میرے نیزے کے تحت رکھا گیا ہے۔ اور جو میری مخالفت کرے گا، اس کے لیے ذلت اور میری ماتحتی لکھ دی ہے، جس نے کسی قوم کی مشابہت کی، وہ ان میں سے ہوگا۔''

اس روایت میں دیکھیے کہ غالباً ہجرت مدینہ کے بعد کسی موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی گفتگو یا تقریر میں دشمنان اسلام کو آگاہ کیا ہے کہ اب میرے کار نبوت کے دوران میں جہاد کا مرحلہ آ گیا ہے، اور یہ میرے کام کے لیے ایسا لازم ہے کہ اب میرا رزق ہی میرے نیزے کے تحت رکھ دیا گیا ہے۔ یعنی مال غنیمت کی صورت میں میرا روزگار مقرر کر دیا گیا ہے۔ تاریخ و مغازی اور قرآن مجید کی آیات انفال سے آگاہی رکھنے والے جانتے ہیں کہ مال غنیمت میں آپ کا حصہ مقرر کیا گیا تھا، تاکہ آپ اپنے اور اپنے اعزہ پر خرچ کر سکیں۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ 'وجعل الذلة والصغار على من خالف أمري' اللہ نے میرے مخالفین کے لیے ذلت اور صغار (پستی) مقدر کر دی ہے۔ سورۂ توبہ (۹)، سورۂ نصر (۱۱۰)، اور رسول کے غلبہ ونصرت کی تمام آیات اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ رسول اللہ کا غلبہ لازم ہے اور مخالفین کو ذلت، رسوائی اور صغار کا سامنا کرنا ہوگا۔ اگر آپ دیکھیں تو یہ حدیث جہاد کی فرضیت کے زمانہ کے شروع شروع کی لگتی ہے۔ اس وقت تک قریش کی مخالفت مبرہن تھی، لیکن یہود اور دیگر قبائل عرب در پردہ مخالفت میں کھڑے تھے۔

آخری جملہ ـــــ من تشبه بقومٍ فهو منهم ـــــ یہود کو یا ان کے مماثل لوگوں کو متنبہ کرنے کے لیے کہا گیا ہے کہ جو میرے مخالفین کی مشابہت اختیار کرے گا، ان کا انجام بھی قریش جیسا ہوگا۔ یعنی رسول کی مخالفت میں جو قریش کی طرح ہوا، وہ بھی میرے نیزے اور تلوار کے تحت نہ صرف میرے رزق کا سبب بنے گا، بلکہ میرے مخالفین کے لیے لکھی گئی ذلت کا شکار بھی ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جس طرح قریش سے مکہ چھنا اور سورۂ توبہ (۹) کے مطابق دار و گیر اور خزی ہوئی، ٹھیک یہود کے ساتھ بھی خیبر چھننے اور سورۂ توبہ (۹) کے مطابق 'وهم صاغرون'[۶] کی حالت میں آنے کا معاملہ ہوا، اور حدیث کے الفاظ میں 'صغار' اور ذلت طاری ہوئی۔

---

۶ سورۂ توبہ (۹:۲۹)، 'صغار صاغرون' ہی کی ایک شکل ہے۔

اس سباق میں غور کیجیے تو 'من تشبه بقومٍ فهو منهم' سے لباس تراش کی مشابہت کا اصول کیسے نکل سکتا ہے؟ زیادہ سے زیادہ جو بات نکالی جا سکتی ہے، وہ یہ ہے کہ جس نے دین وملت میں کسی مشرک اور بدعتی قوم کی پیروی کی وہ انھی میں سے ہو گا۔ لیکن یہ بات بھی اس قول رسول میں موجود نہیں ہے[2]۔ عام بشری امور میں تو اس حدیث سے استدلال بالکل ہی غلط ہو گا۔ مثلاً ہم صدیوں سے اہل ہند کا لباس بھی پہن رہے ہیں، ان کی طرز کا کھانا کھاتے ہیں اور رہن سہن کے کئی پہلو بھی اپنا رکھے ہیں۔ جو پاجامہ اور کرتا اور شلوار اور قمیض ہم پہنتے ہیں، یہ لباس ہندو لباس سے بہت مشابہت رکھتے ہیں۔ اس لیے تمام پاکستانی اور ہندوستانی مسلمان اپنا انجام سوچ رکھیں! اسی طرح جیسا ہم نے پہلے عرض کیا کہ صحابہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی قریش مکہ والا لباس پہنا۔ حقیقت یہ ہے کہ حدیث کا مدعا یہ تھا ہی نہیں، لیکن محدثانہ تصرفات یا فقہی تبویب نے حدیث کے اس جملے کو موقع محل سے کاٹ دیا۔ جس سے اس میں نئے معنی پیدا ہو گئے۔ جبکہ حدیث اصل میں یہ کہہ رہی تھی کہ جس نے میری مخالفت کرنے والی قوم کا سارویہ اپنایا، اس کا انجام میرے دشمنوں جیسا ہو گا، وہ بھی میرے نیزے کا شکار ہوں گے اور میری مخالفت کی بنا پر آنے والی ذلت برداشت کریں گے، اور جس نے میرے صحابہ کا سارویہ اختیار کیا، وہ میری طرح جیتے ہوئے مال غنیمت میں سے حصہ پائیں گے اور غالب رہیں گے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مخالفت یہود و نصاریٰ اور تجزیۂ حدیث

ہمارے تصرفات سے مفہوم حدیث کے بدل جانے کی ایک اور مثال وہ روایات ہیں جو بالوں اور لباس کو رنگنے، چپل پہننے اور ڈاڑھی رکھنے سے متعلق مروی ہوئی ہیں۔ ان روایتوں میں جوتے پہننے، لباس اور بالوں وغیرہ کو رنگنے سے متعلق یہود و نصاریٰ کی مخالفت کا حکم دیا گیا ہے۔ پہلے تصرف کے شواہد دیکھیے، اس کے بعد اصل مضمون کو جاننے کی کوشش کریں گے۔ نافع کی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ دو روایتیں صحیح بخاری میں نقل ہوئی ہیں:

عن نافعٍ، عن ابن عمر رضی الله عنهما قال: قال رسول الله صلی الله	''جناب نافع ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

[2] اس نوعیت کا مضمون اصلاً مندرجہ ذیل قسم کی روایات میں بیان ہوا ہے، لیکن ان میں یہ نہیں بتایا گیا کہ انجام کیا کیا ہو گا۔
'عن أبی سعیدٍ الخدری، قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لتتبعن سنن الذین من قبلکم، شبرًا بشبرٍ وذراعًا بذراعٍ، حتی لو دخلوا فی جحر ضب لاتبعتموهم قلنا: یا رسول الله آلیهود والنصاری؟ قال: ((فمن))' (مسلم رقم الحدیث ۲۶۶۹)۔

علیہ و سلم: ((انھکوا الشوارب، وأعفوا اللحی)). (بخاری، رقم ۵۸۹۳) | ''مونچھیں منڈاؤ اور داڑھیوں کو معاف رکھو۔''

اور اسی طرح یہ روایت بھی دیکھیے:

عن نافعٍ، عن ابن عمر، عن النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم قال: ''خالفوا المشرکین: وفروا اللحی، وأحفوا الشوارب''(بخاری، رقم ۵۸۹۲)

''جناب نافع ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مشرکین کی مخالفت کرو، لہٰذا داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھیں کٹاؤ۔''

ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ان روایات پر اگر نگاہ ڈالیں تو بظاہر تو آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان میں کوئی فرق نہیں ہے، لیکن ایسا نہیں ہے۔ مثلاً پہلی روایت میں دیکھیے کہ قول رسول کا ایک اہم جز ومنتقل نہیں ہوا، جبکہ دوسری روایت میں وہ بیان ہوا ہے۔ اگر فرض کریں کہ پہلی روایت ہی صرف ہم تک پہنچی ہوتی تو ہم ایک اہم اطلاع سے محروم رہ جاتے۔ وہ اطلاع ہے: 'خالفوا المشرکین'۔

اگر صرف پہلی روایت ہی ہمارے پاس ہوتو یہ حکم مستقل بالذات تعبدی حکم بن جاتا ہے، اور اگر دوسری روایت کا مخالفت مشرکین کا جز وساتھ ملالیں تو حکم مبنی برعلت ہوکر اپنی نوعیت میں مختلف ہو جاتا ہے۔[8] مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ جنازہ آئے تو کھڑے نہ ہوا کرو، بیٹھ جایا کرو تو یہ مستقل بالذات شرعی حکم بنے گا، اور اگر کہا جائے کہ یہود کی مخالفت میں ایسا کرو، کیونکہ یہود جنازہ کے وقت کھڑے ہوتے ہیں تو حکم کی نوعیت بدل جائے گی۔[9] کیونکہ اب جنازہ کے

۸۔ ابن عمر جو اس روایت کے راوی ہیں، وہ اس حدیث کے حقیقی منشا سے واقف ہونے کی وجہ سے اسے دوسرے معنی میں لیتے تھے۔ یعنی اسے مستقل تعبدی حکم نہیں مانتے تھے، یہی وجہ ہے کہ 'وفروا' اور 'اعفوا اللحی' کے الفاظ میں بات منتقل کرنے والے یہ صحابی خود اس کے ان معنی پر عمل نہیں کرتے، جو یہ الفاظ بظاہر ادا کرتے ہیں۔ ان کا عمل حدیث مبارکہ کی پوری بات سے واقفیت کی بنا پر حدیث کے اس ٹکڑے کے ظاہر سے مختلف ہے۔ لہٰذا وہ حج یا عمرہ کرنے کے بعد سر کے حلق کے ساتھ ڈاڑھی کے بھی مٹھی سے لمبے بالوں کو کٹوا دیتے تھے۔ 'عن نافعٍ، عن ابن عمر، عن النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم قال: ''خالفوا المشرکین: وفروا اللحی، وأحفوا الشوارب'' وکان ابن عمر: إذا حج أو اعتمر قبض علی لحیتہ، فما فضل أخذہ' (بخاری رقم ۵۸۹۲)۔ (جناب نافع، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مشرکین کی مخالفت کرو لہٰذا ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھیں کٹاؤ۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ جب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی ڈاڑھی کو مٹھی میں لیتے، جو حصہ مٹھی سے زیادہ ہوتا اسے کٹوا دیتے۔)

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

وقت قیام وقعود اصل مسئلہ نہیں ہوگا، بلکہ یہود کی مخالفت اصل مسئلہ ہے۔ لہٰذا یہود اگر جنازہ کے آنے پر بیٹھنے لگ جائیں تو ہمیں بیٹھنا منع ہوگا۔

مخالفت یہود کا ایک حکم ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہوا ہے:

عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اختضبوا وفرقوا وخالفوا الیہود. (التمہید ۶:۷۶)

''جناب نافع ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خضاب لگایا کرو، مانگ نکالا کرو، اور یوں یہود کی مخالفت کرو۔''

ٹھیک یہی دونوں مضمون ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہوئے ہیں:

عن أبی سلمة، عن أبی هريرة أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: إن الیهود والنصارٰی لا یصبغون، فخالفوا علیهم. (رقم ۷۵۴۲)

''جناب ابی سلمہ ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہود ونصاریٰ بالوں کو نہیں رنگتے، تو تم ان سے ہٹ کر چلو۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

دوسری روایت یوں ہے:

عن أبی سلمة بن عبد الرحمٰن، عن أبی هريرة، أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، قال: ((إن فطرة الإسلام الغسل یوم الجمعة، والاستنان، وأخذ الشارب، وإعفاء اللحی، فإن المجوس تعفی شواربها، وتحفی لحاها، فخالفوهم، خذوا شواربکم، واعفوا لحاکم)). (صحیح ابن حبان، رقم ۱۲۲۱)

''جناب ابی سلمہ سے روایت ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسلام کی فطرت جمعہ کے دن کا غسل، دانتوں کی صفائی، مونچھیں لینا اور داڑھی بڑھانا ہے۔ چونکہ مجوسی مونچھوں کو بڑھاتے، اور داڑھیوں کو منڈاتے ہیں، لہٰذا ان کی مخالفت کرو، مونچھیں کاٹو، اور داڑھیاں بڑھنے دو۔''

عبداللہ بن عمر اور ابو ہریرہ ـــــ اللہ ان دونوں سے راضی ہوا ـــــ کی محولہ بالا سب روایتوں میں یا راویوں

۹؎ عن عبادة بن الصامت، قال: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقوم فی الجنازة حتی توضع فی اللحد، فمر به حبرٌ من الیهود، فقال: هکذا نفعل، فجلس النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، وقال: اجلسوا خالفوهم۔ (سنن ابی داؤد، رقم ۳۱۷۶)۔ یہ حدیث آگے مضمون میں زیر بحث آ رہی ہے، اس لیے یہاں اس کا ترجمہ نہیں کیا جا رہا ہے۔

نے حسب ضرورت، یا مصنف محدثین نے ابواب کی رعایت کے تحت تصرف کیا ہے[10]۔ دونوں اصحاب رسول کی ان پانچوں روایتوں میں، حدیث کو حسب مضمون اجزا میں بانٹا گیا ہے۔ خضاب کے باب کے تحت خضاب والا جملہ اور ڈاڑھی کے باب میں ڈاڑھی والا جملہ۔ ان کے یوں بانٹنے سے بظاہر فرق نہیں پڑتا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ زمین آسمان کا فرق پڑ جاتا ہے۔ بات اپنے محل سے کٹ گئی ہے، اوراس کے معنی کہیں سے کہیں جا نکلے ہیں۔

اپنے سیاق وسباق اور محل سے کٹ جانے کے بعد ان روایتوں سے ایک اہم مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ یہ کہ یہود کی مخالفت کے معنی کیا ہیں؟ نبی اکرم کا اسوہ تو یہ معلوم ہے کہ انھوں نے بہت سے امور میں یہود کی صحیح شریعت کی پیروی کی: ہجرت کے بعد یہودی شریعت کے مطابق قبلہ اختیار کیا، جب قرآن کا حکم آیا تو آپ نے تبدیل کر لیا۔ جب روزہ فرض ہوا ہے تو صحابہ نے اسے اہل کتاب کے روزے ہی کی طرح رات دن کا خیال کیا۔ عاشورا کا روزہ آیا تو آپ نے یہود کے اس عمل کو اختیار کیا اور ایک دن کا روزہ اور بڑھا دیا۔ یہاں تک کہ قرآن نے اہل کتاب کا ذبیحہ کھانے تک کی اجازت دی، وغیرہ۔ مسند احمد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ 'کان یتشبہ بأهل الکتاب، فلما نهی انتهی'[11] (رقم ۱۲۰۰)، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کی مشابہت کیا کرتے تھے، جب اللہ کی طرف سے روک دیا جاتا تو رک جاتے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ قرآن مجید میں اتباع ملت ابراہیم علیہ السلام کا حکم دیا گیا ہے: 'أن اتبع ملة إبراهیم' (النحل ۱۶: ۱۲۳) ملت ابراہیمی کی پیروی کرو۔ ملت ابراہیمی کی دو شاخیں آپ کے عہد میں موجود تھیں: بنی اسماعیل اور اہل کتاب۔ لہٰذا آپ نے اس حکم کی پیروی ہی میں وہ اسوہ اختیار کیا، جو حضرت علی نے اوپر بیان فرمایا ہے کہ جب تک روکا نہ جاتا، آپ اہل کتاب کا طریقہ اختیار کرتے تھے۔

لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اہل کتاب کی مخالفت کے کیا معنی ہیں؟ اس کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس حکم کا موقع محل معلوم کیا جائے۔ جس کے لیے ضروری ہے کہ ہم ایسا متن کتب حدیث میں تلاش کریں، جس میں مکمل بات بیان ہوئی ہو، اور محدثین کے عمل تبویب یا دیگر تصرفات سے بچی رہی ہو۔ اس مقصد کے لیے مسند نام کی کتابیں مفید

۱۰؎ یہاں ہم دیگر تصرفات کو زیر بحث نہیں لا رہے، مثلاً خضاب کے حکم میں ایک جگہ صرف یہود اور دوسری جگہ یہود ونصاریٰ دونوں مذکور ہیں۔ یہ بھی ان تصرفات کے شواہد میں سے ہے، وغیرہ۔

۱۱؎ مکمل حدیث یوں ہے: 'عن أبی معمرٍ قال: کنا مع علی، فمر به جنازةٌ فقام لها ناسٌ، فقال علی: من أفتاکم هذا؟ فقالوا: أبو موسی، قال: إنما فعل ذلك رسول الله صلی الله علیه وسلم مرةً، فکان یتشبه بأهل الکتاب، فلما نهی انتهی'۔

ہوتی ہیں، کیونکہ ان میں راوی کے لحاظ سے حدیث مدون کی جاتی ہے، موضوع کے اعتبار سے نہیں، خوش قسمتی سے مذکورہ بالا روایات والے موضوع کا تقریباً ایک حد تک مکمل مضمون دست یاب ہے۔ یہ حدیث مبارکہ مسند احمد، مجمع الزاوئد اور بیہقی کی ''مجمع البیان'' میں وارد ہے، مسند احمد، رقم ۲۲۲۸۳ کے الفاظ یہ ہیں:

أبو أمامة يقول: خرج رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم على مشيخة من الأنصار بيض لحاهم فقال: ((يا معشر الأنصار حمروا وصفروا، وخالفوا أهل الكتاب)). قال: فقلنا: يا رسول اللّٰه، إن أهل الكتاب يتسرولون ولا يأتزرون فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: تسرولوا وائتزروا وخالفوا أهل الكتاب. قال: فقلنا: يا رسول اللّٰه، إن أهل الكتاب يتخففون ولا ينتعلون. قال: فقال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: ((فتخففوا وانتعلوا وخالفوا أهل الكتاب)). قال: فقلنا: يا رسول اللّٰه إن أهل الكتاب يقصون عثانينهم ويوفرون سبالهم. قال: فقال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: ((قصوا سبالكم ووفروا عثانينكم وخالفوا أهل الكتاب[۱۲])).

''ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے عمر رسیدہ اصحاب کے پاس آئے، جن کی ڈاڑھیاں سفید تھیں۔ تو آپ نے ان سے فرمایا: اے گروہ انصار اپنی ڈاڑھیوں کو زرد اور سرخ رنگ سے رنگ لیا کرو، اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔

ابوامامہ کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ اے رسول اللہ، یہ اہل کتاب صرف پاجامہ پہنتے ہیں، تہ بند نہیں باندھتے؟ آپ نے سن کر فرمایا، پاجامہ بھی پہنو اور تہ بند بھی باندھو، اور یوں اہل کتاب کی مخالفت کرو۔

کہتے ہیں ہم نے آپ سے یہ بھی پوچھا کہ اہل کتاب بند جوتے (خفین) پہنتے ہیں، لیکن چپل نہیں پہنتے؟ آپ نے فرمایا چپل بھی پہنو اور بند جوتے بھی پہنو، اور یوں اہل کتاب کی مخالفت کرو۔

کہتے ہیں ہم نے اگلی بات پوچھی کہ اہل کتاب ڈاڑھیاں کٹواتے ہیں اور مونچھیں بڑی رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا تم مونچھیں پست رکھا کرو اور ڈاڑھیاں بڑھالو، اور یوں اہل کتاب کی مخالفت کرو۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۱۲؎ اس روایت کو علامہ ہیثمی مجمع الزوائد میں نقل کرنے کے بعد اسے صحیح قرار دیتے ہوئے رقم فرما ہیں: 'رواه أحمد، والطبراني، ورجال أحمد رجال الصحيح خلا القاسم، وهو ثقةٌ، وفيه كلامٌ لا يضر'۔ چنانچہ یہ حدیث صحیح ہے، ویسے بھی اس کے مضامین بکثرت دوسری روایتوں میں آئے ہیں۔

اس روایت میں ہمارے عمومی فہم سے ہٹ کر کچھ اور طرح کی مخالفت سامنے آتی ہے۔ ہمارا عمومی فہم احادیث مبارکہ کے ٹکڑوں سے بنا ہے۔ مثلاً یہ ٹکڑا کہ 'من تشبه بقوم فهو منهم' یا خالفوا الیهود' وغیرہ کے جملے یہی تاثر بناتے ہیں کہ ہر صورت ان کی مخالفت کرو۔ جبکہ محولہ بالا روایت میں مخالفت کچھ اور طرح کی ہے۔ الفاظ روایت پر دوبارہ نظر دوڑائیے تو آپ کو یہ بات تمام احکام میں نظر آئے گی کہ آپ مخالفت کا بھی کہہ رہے ہیں اور ساتھ ہی اہل کتاب والے عمل کے کرنے کو بھی کہہ رہے ہیں۔ مثلاً دیکھیے کہ یہود خفین پہنتے، اور چپل سے منع کرتے تھے، تو آپ نے کہا کہ خفین بھی پہنو اور چپل بھی۔ اگر ہمارے عمومی فہم والی مخالفت ہوتی تو پھر خفین پہننے سے روکتے اور صرف چپل پہننے کا کہتے۔ یہ دراصل مخصوص مخالفت ہے۔ میں اپنے ناقص علم سے جو سمجھا ہوں وہ عرض کیے دے رہا ہوں، یقیناً اس بات کا امکان ہے کہ کوئی اور پہلو بھی نکلتا ہو۔ لیکن جس پہلو کو ہم یہاں بیان کرنا چاہتے، اس سے آپ دیکھیں گے کہ تمام احادیث حل ہو جاتی ہیں اور نصوص کا وہ تناقض بھی زائل ہو جاتا ہے، جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔

یہود کے احبار (علما) نے بہت سے فتوے دے دے کر نئے نئے احکام دین میں اپنی طرف سے داخل کر دیے ہوئے تھے، جنھیں قرآن 'افترا علی اللّٰه' قرار دیتا ہے۔ مندرجہ بالا روایت میں انھی کی کچھ مثالیں زیر بحث آئی ہیں۔ یعنی وہ بالوں کو رنگنے، چپل پہننے اور تہ بند باندھنے کو دینی معنی میں ممنوع کہتے تھے۔ یہ حرمتیں انھوں نے دین میں خود افترا کر کے ڈال دی تھی۔ آپ نے انھی بدعات کی مخالفت کو اہل کتاب کی مخالفت قرار دیا ہے۔ نہ چپل پہننا حرام تھا اور نہ بند جوتے۔ اس لیے آپ نے دونوں کو جائز قرار دیا اور فرمایا یوں بھی کرو اور یوں بھی۔ دونوں کام کرنے کو یہود کی مخالفت قرار دیا، حالانکہ اس میں یہود کی مخالفت بھی تھی اور موافقت بھی۔ یعنی یہود کے ایک چیز کو حلال اور دوسری کو حرام کہنے کے اس فتوے کی مخالفت کرو۔ مراد یہ کہ جس چیز کو وہ افترا کے طریقے پر دین بنا رہے ہیں اسے دین نہ بناؤ۔

حدیث کے ٹکڑوں سے جو مخالفت سمجھ میں آ رہی تھی، اس سے یہ بہت مختلف مخالفت ہے۔ آپ نے اس فتویٰ کی مخالفت کا حکم دیا ہے، جس نے ایک جائز چیز کو ناجائز اور ایک مباح چیز کو مستحب بنا دیا تھا[13]۔ علما و احبار کا یہی وہ طرز عمل ہے جو اصر و اغلال پیدا کرتا ہے، نبی آخر الزماں اسی اصر و اغلال سے دین کو پاک کرنے آئے تھے۔ سو اس حدیث میں اور اہل کتاب اور مجوس کی مخالفت کی تمام روایات میں جو مخالفت کا حکم ہے، وہ دراصل لباس اور ظاہری چیزوں کی مخالفت کے لیے نہیں ہے، بلکہ وہ ان فتووں کی مخالفت کا حکم ہے جو نصوص کے بغیر اہل کتاب نے دے رکھے تھے۔ گویا یہود کی مخالفت کا مطلب یہ ہوا کہ جن چیزوں کو انھوں نے اپنے فتووں سے دین بنا رکھا ہے، اسے دین نہ سمجھو۔

بدعات یہود سے بچنے کی ایک اور مثال جنازہ کے آنے پر کھڑے ہونا ہے۔

۱۳؎ یعنی مثلاً چپل اور خفین دونوں مباح تھے، لیکن اپنے فتوے سے چپل کو ناجائز بنا دیا اور خفین کو مستحب۔

عن عبادة بن الصامت، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقوم في الجنازة حتى توضع في اللحد، فمر به حبرٌ من اليهود، فقال: هكذا نفعل، فجلس النبي صلى الله عليه وسلم، وقال: ((اجلسوا خالفوهم)). (سنن ابی داؤد، رقم ۳۱۷۶)

''عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنازے میں میت کو قبر میں اتارنے تک کھڑے رہتے تھے۔ تو ایک یہودی عالم پاس سے گزرا، تو اس نے کہا کہ ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں، تو اس کے ایسا کہنے پر آپ بیٹھ گئے۔ صحابہ سے بھی فرمایا کہ ان کی مخالفت کی غرض سے بیٹھ جاؤ۔''

یہاں بھی دیکھیے کہ آپ جنازے پر کھڑے تھے کہ یہودی عالم دین کے کہنے سے یہ چیز سامنے آئی کہ یہ ان کا خودساختہ دینی عمل ہے۔ لہٰذا آپ نے یہ بتانے کے لیے کہ جنازے میں بیٹھا بھی جا سکتا ہے، آپ خود بھی بیٹھ گئے اور دوسروں کو بھی بیٹھنے کے لیے کہا۔ پاکستان میں ہماری امت میں یہ عمل اسی طرح جاری ہے، لوگ نہ جنازہ و تدفین میں کھڑے رہنے کو حرام سمجھتے ہیں نہ واجب۔ یہ بھی اس بات کی مثال ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان امور میں یہود و نصاریٰ کی مخالفت کا حکم دیا ہے، جس میں انھوں نے اپنے فتووں سے خود ہی حرام و حلال یا مندوب و مستحب کی قسم کے اعمال وافعال مقرر کر رکھے تھے۔ قرآن میں نبی اکرم کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ان بدعات کا قلع قمع کرنے آئے تھے۔ درج بالا حدیث میں خفین و نعلین، زرد اور سفید لباس، ڈاڑھی کا چھوٹا بڑا ہونا سب دائرۂ مباحات کی چیزیں تھیں جنھیں یہود نے مذہبی رنگ دے رکھا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث مبارکہ میں اس مذہبی رنگ کو ختم کر کے دوبارہ دائرۂ مباحات کی چیز بنا دیا، تاکہ اصر و اغلال زائل ہو اور یہود کی بدعات کا قلع قمع ہو۔

یہ چند مثالیں تھیں، جن میں احادیث کو روات یا محدثین نے بیان کرتے وقت اجزا میں بانٹ دیا ہے جس سے ان کا مضمون بالکل بدل کر رہ گیا ہے۔ پھر کچھ فقہی اور دینی مسائل پیدا ہو گئے۔ اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ ہر حدیث کے فہم کے وقت اس کے مکمل ترین متن کو تلاش کیا جائے۔ اس لیے فقہی ترتیب کی کتب بھی مدد دے سکتی ہیں، لیکن مسند قسم کی کتابیں زیادہ مفید مطلب ہوں گی، کیونکہ ان میں حدیثیں مضمون کے تحت نہیں، بلکہ راوی کے تحت لائی جاتی ہیں، جس سے مکمل متن کے آنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

حمیدالدین فراہی

اصلاح اور نماز

[یہ مضمون امام حمید الدین فراہی کے ''رسالۃ فی اصلاح الناس'' کا اردو ترجمہ ہے
جو مولانا امین احسن اصلاحی کے قلم سے ''الاصلاح'' میں شائع ہو چکا ہے۔]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۱۔جس طرح بیماریوں کے علاج میں ضروری ہے کہ اولاً مرض اور اسباب مرض کی تشخیص کی جائے اور جو چیز سب سے زیادہ اہم ہے، پہلے اس کی طرف توجہ کی جائے۔اسی طرح کسی قوم کی اصلاح میں سب سے پہلے خرابیوں کے اسباب اور اصل مرض کا سراغ لگانا چاہیے۔اس کے بعد اگر پیش نظر دینی اصلاح ہے، کتاب وسنت پر غور کرنا چاہیے۔دینی اصلاح کی راہ یہی ہے، اللہ تعالیٰ نے ایک بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح فرمائی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اصلاح و دعوت کی صحیح راہ بتا دی، پھر ہم کو حکم دیا کہ ہم آپ کے نقش قدم کی پیروی کریں۔اصلاح و دعوت کی تمام راہیں کتاب الٰہی میں موجود ہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے وہ تمام راہیں ہمارے لیے کھول دی ہیں۔

پس کسی مصلح کے لیے یہ بات جائز نہیں ہو سکتی کہ وہ اس اہم کام میں کتاب وسنت کی رہنمائی سے بے پروا ہو کر تنہا اپنی رائے پر بھروسا کرے، جو شخص ایسا کرے گا وہ اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہ ہوگا اور اس کی کوشش اصلاح سے زیادہ فساد کا باعث ہوگی۔میں نے اس مسئلہ پر ایک زمانہ تک غور کیا ہے اور کتاب وسنت کی روشنی میں جن نتائج تک پہنچا ہوں، چند لفظوں میں ان کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔

۲۔ایک مصلح کا فرض صرف اس قدر ہے کہ وہ اصلاح کی دعوت دے دے، لوگ اس کو قبول کرتے ہیں یا نہیں اس سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔عموماً ایسا ہوتا ہے کہ لوگ اپنے دلوں کی خرابی کی وجہ سے نیکی کی دعوت پر کان نہیں

دھرتے، فرعون کے ساتھیوں اور یہودیوں نے جان بوجھ کر دعوت حق سے اعراض کیا، پس کسی مصلح کی دعوت کی صحت اور سچائی کا معیار کامیابی نہیں، اس کا فرض صرف اس قدر رہے کہ جس بات کی سچائی اللہ تعالیٰ نے اس پر کھول دی ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہے، اندھیرے میں چلنے والوں کی طرح قدم قدم پر لڑکھڑائے نہیں۔

۳۔ افراد اور جماعتیں، دونوں کے امراض کبھی مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مختلف جماعتیں اپنی عقلی اور خلقی حیثیات میں ایک دوسری سے بالکل مختلف حالت میں ہوتی ہیں، مصلح کا فرض ہے کہ ان کو مخاطب کرتے وقت ان کے تفاوت حالات کو نظر انداز نہ کرے، اگرچہ راہ اصلاح کی منزلیں متعین ہیں، تاہم رعایت حالات ناگزیر ہے۔ یہی راز ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کو بعض خاص امور کا حکم دیا، اور بعض اوقات ایسا ہوا کہ ان کے حسن نیت کا اندازہ کر لینے کے بعد بعض معاملات میں ان کے طرز عمل کے اختلاف کو نظر انداز فرمایا۔

۴۔ اعمال کی بنیاد عقائد پر ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ عقائد میں متفق ہونے کے باوجود لوگوں کے اعمال میں تفاوت ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علم اور عمل کے درمیان کچھ وسائط ہیں۔ علم اور عقیدہ بعض اوقات فراموش ہو جاتا ہے اور فراموش ہو کر کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ دل کی گہرائیوں میں کسی کونے میں موجود ہوتا ہے، اور کبھی اس قدر چھپ جاتا ہے کہ گویا بالکل نابود ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں تذکیر کی ضرورت ہے۔ پے بہ پے تذکر ارادہ کو متحرک اور حالت کو بیدار کر دیتا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح مصائب کی یاد تم میں غم کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے، اسی لیے قرآن مجید میں تذکیر بہت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے:

وَّ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ. (الذاریات ۵۱:۵۵)

''اور یاددہانی کرو، یاددہانی ایمان والوں کو نفع پہونچائے گی۔''

تذکر کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی اپنے نفع و نقصان کا اس طرح تصور کرے کہ وہ بالکل نگاہ کے سامنے ممثل ہو جائیں اور ایسی چیزوں کو یاد کرے جو اس میں ایک کیفیت و حالت پیدا کر دیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کے انعامات، اس کی عظمت و جلالت، اپنے ندامت انگیز معاصی، پس دوسری چیز گویا حالت و کیفیت کا پیدا کرنا ہے، اور یہ چیز نہایت اہم ہے۔ بعض اوقات تذکیر کسی غافل اور مدہوش اور شکی دل سے ٹکرا کر واپس ہو جاتی ہے اور اندر گھسنے کی راہ نہیں پاتی، اس لیے ضروری ہے کہ غفلت و قساوت اور شک کے اسباب دور کیے جائیں، تاکہ قلب اثر پذیر ہو سکے۔ اس کے بعد ترویض قلب کا درجہ ہے یعنی اس کو ایسا بنایا جائے کہ پیدا شدہ کیفیت باقی رہ سکے۔

قرآن مجید نے صلاحیت قلب کی علامات کی طرف بعض مقامات میں اشارہ کیا ہے، مثلاً:

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ. (الزمر ۳۹:۲۳)

''جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، اس (کے سننے) سے ان کے بدن کانپ اٹھتے ہیں، پھر ان کے جسم اور دل نرم ہو کر یاد الٰہی کی طرف (راغب) ہوتے ہیں۔''

دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا. (الانفال ۸:۲)

''حقیقی مومن وہی ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا نام آتا ہے، ان کے دل کانپ جاتے ہیں، اور جب ان کو اللہ کی آیتیں سنائی جاتی ہیں، ان کے ایمان میں افزونی ہوتی ہے۔''

پس اصلی چیز قلب کی اصلاح و درستی ہے۔

۵۔ میں نے یہ جاننے کے لیے کہ اصلاح قلب کی راہ میں پہلا قدم کیا ہے، بارہا کتاب وسنت پر غور کیا، بعض مرتبہ مجھے خیال ہوا کہ اس سوال کا جواب آیت ذیل سے مل سکتا ہے:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى (اللیل ۹۲:۵-۷)

''تو جس نے (راہ خدا میں) دیا اور پرہیز گاری اختیار کی، اور اچھی بات (دین اسلام) کو سچ سمجھا تو ہم آسانی کی جگہ (یعنی بہشت میں پہنچنے) کا راستہ، اس کے لیے آسان کر دیں گے۔''

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی توفیق کس طرح حاصل ہوتی ہے، نیز یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصلی حجاب مال و اولاد کی محبت ہے، بخل و بزدلی کی تمام برائیاں اسی سے پیدا ہوتی ہیں، اور تمام اعمال صالحہ کی جڑ اور تمام معاصی سے روکنے والی چیز تقویٰ ہے، اور تصدیق حسنٰی سے آدمی پر آخرت کی تیاریوں کی راہیں کھلتی ہیں۔

اس کے بعد مجھ پر ایک اور اہم حقیقت آشکارا ہوئی، اور دلائل نے اس کی تائید کی۔ وہ یہ کہ یہ نماز پہلی اور آخری دوا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نماز کا حکم دیا اور نماز کی حقیقت، ذکر اور تبتل بتائی، اور نماز کی جس قدر تاکید کی، ایمان کے بعد اس قدر تاکید کسی عمل صالح کی نہیں کی۔ پھر یہ نکتہ بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ ذکر ہی سے قلب میں کیفیت و حالت پیدا ہوتی ہے اور قرآن کی تلاوت ہی سے دل زندہ ہو سکتا ہے کیونکہ قرآن مجید ہی روشنی اور شفا ہے، اور قرآن مجید کی تلاوت کا سب سے زیادہ موزوں وقت نماز ہے۔ کتاب وسنت سے اس کی تائید ہوتی ہے، پھر

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

نماز کی اصلی روح خشوع ہے جو تقویٰ، شکر اور توحید و توکل کی جڑ ہے۔ نماز، ہدایت اور توفیق کی دعا ہے۔ نماز فواحش اور منکر سے روکنے والی ہے، بلکہ وہ جس قدر صحیح، با قاعدہ، زیادہ اور خالص ہوتی جائے گی، اسی قدر اس کی تاثیرات بڑھتی جائیں گی۔

ان باتوں نے مجھ پر یہ حقیقت کھول دی ہے کہ اصلاح کی راہ میں پہلا قدم نماز ہے۔ آیت تیسیر جو اوپر گزر چکی ہے، تصحیح نماز کی طرف رہبری کرتی ہے۔ نمازی پر جو کیفیات طاری ہونی چاہییں، ان کا خلاصہ تین چیزیں ہیں: صدقہ، تقویٰ اور عاقبت حسنیٰ کا یقین۔ پس جو شخص اصلاح اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ارادے سے اٹھے اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے نفس کو نماز اور خشوع کے ذریعہ جانچ کر درست کر لے، اور یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جب تک کسی شخص کی نماز درست نہ ہوگی، اس وقت تک اس کے نفس کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔

۶۔ اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ مصلح کے لیے عمل اصلاح کے آغاز سے پہلے اپنے نفس کی اصلاح ضروری ہے۔ اس کا راستہ یہ ہے کہ آدمی خدا کی راہ میں خرچ کرے، تقویٰ اختیار کرے، متّقین کے لیے اللہ تعالیٰ کا جو وعدہ ہے، اس کا یقین رکھے اور ایسی نماز پڑھے جو خشیت و شوق سے لبریز ہو۔ وہ صحیح نماز جس کا بیان سورۂ مومنون میں ہے، اس میں وہ تمام باتیں بیان کر دی گئی ہیں جو نماز سے پہلے، نماز کے اندر، اور نماز کے بعد ضروری ہیں اور ایک سے زیادہ آیات میں اس چیز کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے جو نماز کی روح ہے یعنی ذکر و انابت، اور احادیث میں ذکر کے معنی بھی بتا دیے گئے ہیں کہ بندہ خدا کی اس طرح عبادت کرے گویا اس کو دیکھ رہا ہے۔

۷۔ تقویٰ ایک جامع لفظ ہے۔ یہ تمسّک بالکتاب کے ہم معنی ہے اور تمسّک بالکتاب، جیسا کہ قرآن مجید میں تصریح ہے، اتباع سنت کو شامل ہے۔ ان مقدمات کی توضیح دوسری جگہ ہو چکی ہے۔ پس میرے نزدیک مصلح کے لیے کتاب و سنت کا تمسّک اور نماز کی تصحیح ضروری ہے، اور نماز کی تصحیح اس کے شرائط کے بغیر ناممکن ہے۔

اس تفصیل کے بعد آیت ذیل کا مطلب آپ بآسانی سمجھ سکتے ہو جو طریق اصلاح کی طرف رہبری کر رہی ہے:

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ.

’’جو کتاب کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں بے شک ہم مصلحین کا اجر ضائع نہیں کرتے۔‘‘ (الاعراف ۷: ۱۷۰)

امین احسن اصلاحی

اسلام میں شوریٰ کی حیثیت

سوال: ایک مصنف لکھتے ہیں:

''اسلامی نظام حکومت میں خلیفہ کو شوریٰ کا پابند کیا گیا ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو صاحب وحی بھی تھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور تھے کہ پیش آمدہ معاملات اور مہمات کے بارہ میں (جن میں وحی نے رہنمائی نہ کی ہو) اپنے اصحاب و رفقا سے مشورہ کریں (وشاورھم فی الامر) قرآن مجید ہی میں ایک دوسری جگہ امت محمدیہ کا لائحۂ عمل اور دستور بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ 'وامرھم شوریٰ بینھم' اور ان کے کام باہمی مشورہ سے ہوتے ہیں۔''

اس اصل اصول کے بعد مصنف نے اپنے طور پر جو کچھ لکھا ہے، وہ یہ ہے:

''لیکن اگر کسی اہم معاملہ میں خلیفہ کو یہ یقین ہو کہ جو کچھ میں سمجھ رہا ہوں، وہی صحیح ہے، اور اس کے خلاف چلنے میں بڑا خطرہ ہے، تو شوریٰ کے اختلاف رائے کے باوجود اپنے یقین وشرح صدر کی بنا پر اپنی رائے پر اصرار کر سکتا ہے اور جاننے والے جانتے ہیں کہ عملی دنیا میں یہ بالکل ناگزیر ہے اور آج کی جمہوریتوں میں بھی بکثرت ایسا ہی ہوتا رہتا ہے۔''

اس بارے میں آپ اپنی رائے ظاہر فرمایئے۔

جواب: اس امر میں ذرا شبہ نہیں ہے کہ اگر کسی اہم معاملہ میں خلیفہ کو یقین ہو کہ جو کچھ وہ سمجھ رہا ہے، وہی صحیح ہے، اس کے خلاف راہ اختیار کرنے میں بڑا خطرہ ہے تو وہ اپنے یقین کی بنا پر اپنی رائے پر اصرار کر سکتا ہے، لیکن خلیفہ کو یہ بات ملحوظ رکھنی پڑتی ہے کہ وہ کوئی معصوم ہستی نہیں ہے، اس وجہ سے اجتہادی اور مصلحتی امور (اور شوریٰ کا تعلق اسی

طرح کے امور سے ہوتا ہے) میں اس کو دوسرے اہل الرائے کے مقابل میں اپنے یقین اور اپنی رائے کو اس درجہ اہمیت دینے اور اس کے مانے جانے پر اصرار کرنے کا حق نہیں ہے کہ وہ اپنی تنہا رائے کے مقابل میں دوسرے اہل الرائے کی متفقہ رائے یا ان کی اکثریت کی رائے کو رد کر دے۔ اگر ایک امر اجتہادی میں کوئی خلیفہ اپنے یقین کو اس درجہ شک و شبہ سے بالاتر سمجھتا ہے تو دوسرے الفاظ میں اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے آپ کو ایک معصوم ہستی سمجھتا ہے۔ آخر اس کے پاس اس امر کے لیے کون سی ہر شبہ سے بالاتر دلیل موجود ہے کہ جو کچھ وہ سمجھ رہا ہے، وہی حق ہے۔ جو دوسرے سمجھ رہے ہیں، وہ غلط ہے۔ اس کے پاس اگر کچھ دلائل ہیں تو وہ اپنے دلائل پوری تفصیل کے ساتھ پیش کر سکتا ہے اور پورے زور وقوت اور اصرار و تاکید کے ساتھ پیش کر سکتا ہے، لیکن اسے یہ فیصلہ اہل الرائے پر چھوڑنا چاہیے کہ وہ اس کے دلائل سے قائل ہو کر اس کے ہم نوا بنتے ہیں یا نہیں بنتے۔ اسلام نے اس کو یہ حق ہرگز نہیں دیا ہے کہ اگر اہل الرائے اس کے دلائل سے قائل نہیں ہوتے تو اصرار کے زور سے ان کو قائل ہونے پر مجبور کر دے۔ یا شوریٰ کی بساط ہی لپیٹ کر رکھ دے۔ اگر وہ یہ حق حاصل کر لے تو پھر اسلام میں شورائیت بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ صاحب ''احکام القرآن'' ابوبکر جصاص نے خوب بات لکھی ہے کہ اسلام میں شوریٰ کا جو حکم دیا گیا ہے تو محض اس لیے نہیں دیا گیا ہے کہ تھوڑی سی اہل الرائے لوگوں کی عزت افزائی اور دل داری ہو جائے، بلکہ یہ حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ ان کے مشورے مانے جائیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ صاحب وحی اور معصوم ہونے کی وجہ سے کسی سے مشورہ لینے کے محتاج نہ تھے، لیکن چونکہ آپ ہی کے عملی نمونہ سے اسلام میں شورائیت کی بنیاد پڑنی تھی، اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مواقع پر مصلحتی امور میں صحابہ سے مشورہ کیا اور ہر موقع پر ان کے مشورہ کو قبول فرمایا۔ یہی رویہ بعد کے زمانوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا رہا۔ میرے علم میں کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں ہے جب ان میں سے کسی نے مشورہ لیا ہو اور مشورہ لینے کے بعد لوگوں کے مشورہ کے خلاف قدم اٹھایا ہو۔

مرتد ہو جانے والوں سے جنگ کرنے کے معاملہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اختلاف رائے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اظہار عزم بالجزم کو بعض لوگ اس معنی میں لیتے ہیں کہ اسلام میں خلیفہ کو شوریٰ کے فیصلہ کو رد کر دینے کا حق ہے، لیکن میرے خیال میں اس واقعہ کو لوگوں نے عام طور پر غلط سمجھا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شوریٰ کے فیصلہ سے نہیں، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اور مشورہ سے شدت کے ساتھ اختلاف کیا تھا اور اس اختلاف کی نوعیت بھی اختیار خصوصی کے زور سے کسی رائے کو رد کر دینے کی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

نہیں تھی، بلکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے شبہات کو دور کرنے کے لیے ایسے دلائل دیے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اختیار کردہ رائے کے لیے میرا سینہ کھل گیا۔

موجودہ زمانہ کی نام نہاد جمہوریتیں زمانۂ جنگ میں جو صورتیں اختیار کرتی ہیں، ان سے اسلام کے نظام کے لیے کوئی مثال پیش کرنا ایک انمل بے جوڑ سی بات ہے۔ مغربی جمہوریتیں آئینی اور قانونی موشگافیوں کے سبب سے ایسی الجھی ہوئی اور پھیلی ہوئی سی چیز بن گئی ہیں کہ اگر ملک کے لیے کوئی نازک مرحلہ پیش آ جائے تو ان جمہوریتوں کا سارا پول کھل جاتا ہے اور حکومت چلانے والے مجبور ہو جاتے ہیں کہ آئین کے الفاظ اور جمہوریت کے رسوم کے احترام پر ملک کے تحفظ و بقا کو ترجیح دیں۔ لیکن اسلام میں جو جمہوریت وشورائیت ہے، وہ اس قدر سادہ، اصولی اور مقصدی ہے کہ اس کا احترام امن و جنگ ہر حالت میں یکساں باقی رکھا جا سکتا ہے۔ نازک سے نازک حالات کے اندر بھی اس کے سبب سے حکومت کی صلاحیت کار، اس کی کارکردگی اور اس کے بروقت اقدامات میں کوئی رکاوٹ نہیں پیدا ہوتی۔ اس وجہ سے اسلامی نظام میں خلیفہ کو کبھی شورائیت کے نظام کو معطل کرنے کی نوبت نہیں آتی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے نہایت ہی اہم حالات کے زمانے تھے، لیکن انھیں ایک دن کے لیے بھی شورائیت کو معطل کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

شبلی نعمانی

عدل جہانگیری

قصر شاہی میں کہ ممکن نہیں غیروں کا گزر،
ایک دن، نور جہاں، بام پہ تھی جلوہ فگن،

کوئی شامت زدہ رہگیر اُدھر آ نکلا
گرچہ تھی قصر میں ہر چار طرف سے قدغن

غیرت حسن سے بیگم نے طمنچہ مارا،
خاک پر ڈھیر تھا اِک کشتۂ بے گور و کفن

ساتھ ہی شاہ جہانگیر کو پہنچی جو خبر
غیظ سے آ گئے ابروے عدالت پہ شکن

حکم بھیجا کہ کنیزان شبستان شہی!
جا کے پوچھ آئیں کہ سچ یا کہ غلط ہے یہ سخن

نخوتِ حُسن سے، بیگم نے بصد ناز کہا
''میری جانب سے کرو عرض بہ آئین حَسن''

ہاں! مجھے واقعۂ قتل سے انکار نہیں
مجھ سے ناموس حیا نے یہ کہا تھا کہ بزن

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اُس کی گستاخ نگاہی نے کیا اس کو ہلاک
کشورِ حُسن میں جاری ہے یہی شرعِ کُہن

مفتیِ دیں سے جہانگیر نے فتویٰ پوچھا
کہ شریعت میں کسی کو نہیں کچھ جائے سخن

مفتیِ دیں نے یہ بے خوف وخطر صاف کہا
شرع کہتی ہے کہ قاتل کی اڑا دو گردن،

لوگ دربار میں اس حکم سے تھرا اُٹھے
پر جہانگیر کی ابرو پہ نہ بل تھا نہ شکن،

ترکنوں کو یہ دیا حکم کہ اندر جا کر
پہلے بیگم کو کریں بستۂ زنجیر و رَسَن

پھر اسی طرح اُسے کھینچ کے باہر لائیں
اور جلاّد کو دیں حکم کہ ہاں تیغ بزن

یہ وہی نور جہاں ہے کہ حقیقت میں یہی
تھی جہانگیر کے پردہ میں شہنشاہِ زمن

اِس کی پیشانیٔ نازک پہ جو پڑتی تھی گرہ
جا کے بن جاتی تھی اوراقِ حکومت پہ شکن

اب نہ وہ نور جہاں ہے نہ وہ اندازِ غرور
نہ وہ غمزے ہیں نہ وہ عربدۂ صبر شکن

اب وہی پاؤں ہر اِک گام پہ تھراتے ہیں
جن کی رفتار سے پامال تھے مُرغانِ چمن

ایک مجرم ہے کہ جس کا کوئی حامی نہ شفیع
ایک بیکس ہے کہ جس کا نہ کوئی گھر نہ وطن

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

خدمتِ شاہ میں بیگم نے یہ بھیجا پیغام!
خوں بہا بھی تو شریعت میں ہے اِک امرِ حَسن

مفتیِ شرع سے پھر شاہ نے فتویٰ پوچھا
بولے جائز ہے رضا مند ہوں گر بچہ وزن

وارثوں کو جو دیے لاکھ درم ''بیگم'' نے
سب نے دربار میں کی عرض کہ اے شاہ زمن

ہم کو مقتول کا لینا نہیں منظور قصاص!
قتل کا حکم جو رُک جائے تو ہے مستحسن

ہو چکا جبکہ شہنشاہ کو پورا یہ یقیں
کہ نہیں اس میں کوئی شائبۂ حیلہ وفن

اُٹھ کے دربار سے آہستہ چلا سوئے حرم
تھی جہاں نور جہاں معتکف بیتِ حزن،

دفعتاً پاؤں پہ بیگم کے گرا اور یہ کہا
''تو اگر کشتہ شدی آہ چہ می کردم من''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org